ثمینہ راجہ کے دو شعری مجموعے۔

1۔ ہویدا۔ 2۔ پری خانہ

ھیرا
فیس بک
گروپ
کتابیں
پڑھیں

بس کہ ہوں غالبؔ! اسیری میں بھی آتش زیرِ پا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا
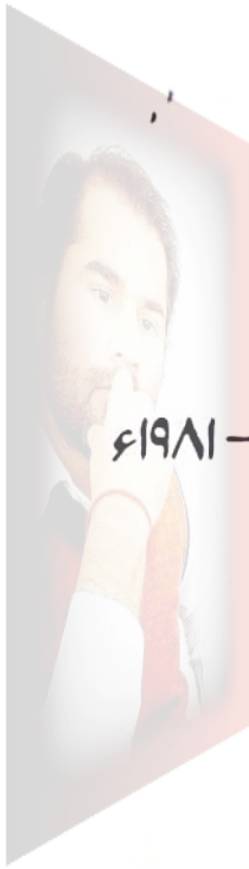
۱۹۷۷ء — ۱۹۸۱ء

میں خواب دیکھتی تھی، خواب یہ سدا کہ میں ہوں
یقین کیسا مجھے اُس نے دے دیا کہ میں ہوں

ہزار چہرے تھے اور سب نفی کے درپے تھے
قدم قدم پہ وہ آئینہ رُو ملا کہ میں ہوں

میں روئی اور پکارا "کوئی نہیں میرا"
تو اُس نے بڑھ کے گلے سے لگا لیا کہ میں ہوں

اپنے بھائی جان (راجہ حمید)
کے نام

کتاب	:	ہویدا
شاعر	:	ثمینہ راجہ
تاریخ اشاعت	:	دسمبر ۱۹۹۵ء
سرورق	:	موجد
کمپوزنگ	:	عکاس۔ اسلام آباد
پرنٹرز	:	آر۔ زید۔ ہاشمی پرنٹرز راولپنڈی فون :۔ ۴۵۵۶۹۶
ناشر	:	مستقبل ' پبلی کیشنز۔ اسلام آباد
قیمت	:	۱۵۰ روپے

ثمینہ راجہ

ہویدا

ترتیب

تو

حرفِ آغاز بھی تو
حرفِ انجام بھی تو
میری ہر صبح بھی تو
میری ہر شام بھی تو
میری آواز بھی تو
میرا الہام بھی تو
میری پہچان بھی تو
اور مرا نام بھی تو

○

یارب، لبِ خموش کو ایسا کمال دے
جو گفتگو کے سارے ہی لہجے اُجال دے

سوزِ درونِ قلب کو اتنا جمال دے
جو مجھ کو ایک شمع کے قالب میں ڈھال دے

پردے ہٹا، دکھادے تجلّیءِ شش جہات
پھر مطمئن وجود کو روحِ غزال دے

وہ خواب مرحمت ہو کہ آنکھیں چمک اٹھیں
وہ سرخوشی عطا ہو کہ دنیا مثال دے

وہ حرف لکھ سکوں کہ بنے حرفِ پُر اثر
اک کام کر سکوں تو مجھے گر مجال دے

میں اپنی شاعری کے لئے آئینہ بنوں
راحت نہیں تو مجھ کو بقائے ملال دے

تیرے ہی آستاں پہ جُھکی ہو جبینِ دل
اپنے ہی در کے واسطے خوئے سوال دے

○
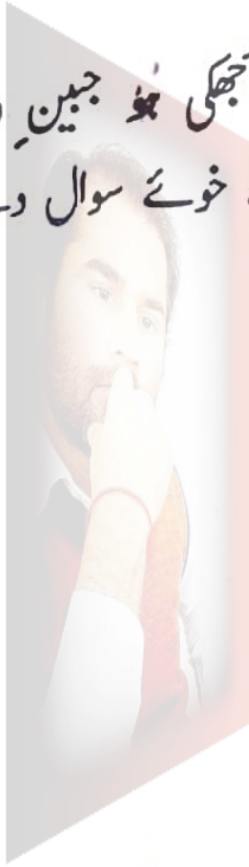
کسی کے حسنِ نظر کی نظیر ہوں میں بھی
نگاہِ اہلِ جہاں میں حقیر ہوں میں بھی؟

اگر تُو حلقہ ء شام و سحر میں قید رہا
تو زندگی کے قفس میں اسیر ہوں میں بھی

مرے وجود میں جلتی اِس آگ پر مت جا
اگر تُو دور رہے، زمہریر ہوں میں بھی

ترے وجود سے مُنکر جہاں میں تھی، میں ہی
تری نگاہ کی اب تو اسیر ہوں میں بھی

مرے لئے بھی رہیں اب فضائیں چشم براہ
صبا کے ساتھ خزاں کی سفیر ہوں میں بھی

وفا، تو ساتھ نبھانے کا اک بہانہ ہے
رواج کی تری صورت اسیر ہوں میں بھی

میں صرف جسم نہیں ایک زندہ روح بھی ہوں
خدا کے بعد سمیع و بصیر ہوں میں بھی

آسیب صفت یہ مری تنہائی عجب ہے
ہر سمت تری یاد کی شہنائی عجب ہے

یوں ہے کہ ترے ساتھ ملاقات کے باوصف
اِس بار مرے دل کی شکیبائی عجب ہے

اب سلسلہ ء رنج و محن ٹوٹ ہی جائے
اُن آنکھوں کا اندازِ پذیرائی عجب ہے

اب مجھ پہ ہے شہزادہَ جنّات کا قبضہ
یوں میرے درو بام کی تنہائی عجب ہے

سورج سے اُترتے ہیں مرے ہر بنِ مو پر
آنکھیں بھی رکھوں بند تو بینائی عجب ہے

نس نس میں پھسلتا ہے ترے قرب کا نشّہ
ہر موجہء خوناب کی گہرائی عجب ہے

پگھلا ہوا سونا تھے ابھی گھر کے درو بام
یہ دھوپ گھڑی بھر میں ہی کجلائی عجب ہے

ہر دن ستم ایجاد ہے ہر شام سیہ فام
یارب یہ تری انجمن آرائی عجب ہے
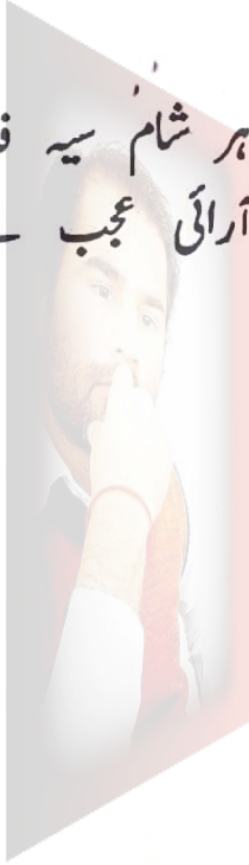
مجھے نیا طلّسم دے

خدائے دل !

مجھے بتا، میں کیا کروں

کہ راز مجھ پہ ہوں عیاں

کہ رنگ مجھ پہ کِھل اٹھیں

ہو وقت مجھ پہ مہرباں

مرے یہ پاؤں راہ کی تپش سے اب

جُھلس گئے

مری نظر بھی تھک گئی

مجھے ملا نہیں نہالِ سبز کا کوئی نشاں

نہ شہر میں کوئی صدائے آشنا

نہ صبحِ دلبری، نہ شامِ دوستاں

مرا نصیب سو چکا

مرا طلسم کھو چکا

خدائے دل !
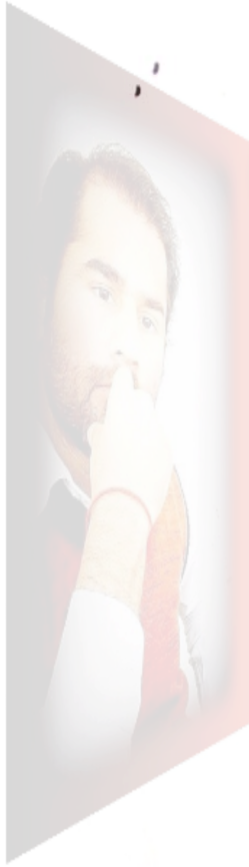
اجنبی آؤ

اجنبی آؤ
دیکھو، امنگوں کی نوخیز کلیاں
جو مُرجھا رہی ہیں
تمہارے لئے وقت
چنچل پرندہ
مرے سانس پتھر تلے دب چکے ہیں
مری عمر کچھ کٹ چکی ہے
جو باقی ہے
اک کرب میں کٹ رہی ہے
اگر اجنبی تم نہ آؤ

تو پیغام بھیجو
اگر کوئی چنچل پرندہ ملے
وقت کا
اس کی گردن میں باندھو
کوئی سبز کاغذ
کوئی سبز کاغذ کہ جس پر لکھو اپنے ہاتھوں
انوکھی، پُر اسرار، سب رنگ تحریر
پھر وہ پرندہ مری سمت بھیجو
تو پھر اجنبی وہ پرندہ (اگر ہو سکے تو)
مرے سانس پتھر تلے سے نکالے
مرا کرب چکھے
وہ کاغذ تمہاری پُر اسرار، سب رنگ تحریر والا
مری سُونی گردن میں ڈالے

○
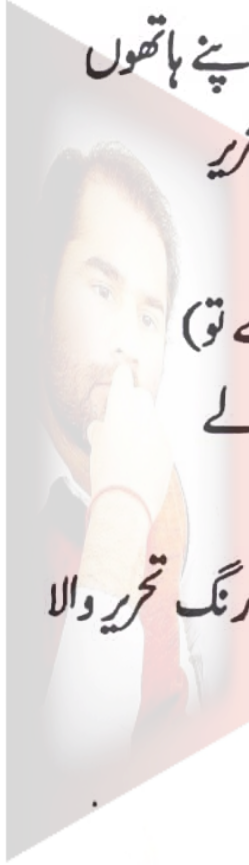
دریا میں قطرہ رہنا بھی، دریا ہونا بھی
کتنا انوکھا لگتا ہے یہ 'اپنا' ہونا بھی

سکھ کے کتنے سارے لمحے، دکھ کی اک ساعت
اک ساعت میں سب لمحوں کا مہنگا ہونا بھی

ایک حقیقت بن کر جو آنکھوں میں رہتا تھا
آنکھیں دیکھ رہی ہیں اُس کا سپنا ہونا بھی

رات کی سانسیں بوجھل ہوتے دیکھوں میں
اُس کی یاد کا پُروا بننا تارا ہونا بھی

کالی چنچل آنکھوں والی اک البیلی روح
کتنا اچھا لگتا ہو گا چڑیا ہونا بھی

میرے شہر کا رستہ بھولے عرصہ بیت چلا
دیکھ سکو تو دیکھو اس کا صحرا ہونا بھی

کچھ بڑی بات نہیں دادِ ہُنر چاہتے ہیں
ہم تو اے اہلِ نظر! ذوقِ نظر چاہتے ہیں

خود کلامی میں بھی اک لطف ہے اپنا لیکن
ہم کوئی ہم سخنِ تازہ نظر چاہتے ہیں

بے نمو پیڑ ہیں اس بانجھ زمیں کے ہم لوگ
اور احساس میں کچھ برگ و ثمر چاہتے ہیں

رنگ در رنگ افق پر تری چاہت پھیلی
ہم افق تک کوئی زینہ کوئی در چاہتے ہیں

میں تو خود اُن کے ارادوں میں پناہیں ڈھونڈوں
مرے محرم مرے لفظوں کی سپر چاہتے ہیں

توڑ کر مہر و مرّوت کے تمام آئینے
لوگ اب شہر میں اک آئنہ گر چاہتے ہیں

شب نے رختِ سفر سنبھالا ہے
بس وہ سورج نکلنے والا ہے

تجھ سے مل کر بھی پُرسکوں تو نہیں
دل کا انداز ہی نرالا ہے

کیوں بھلا مجھ پہ کوئی ہاتھ اٹھے
بھائی کم بِن ہے پر جیالا ہے

پھول پر جھومتی ہے بادِ بہار
چاند کا آسماں پہ ہالا ہے

ہجر کی بالیاں ہیں کانوں میں
اور گردن میں غم کی مالا ہے

زندگی تجھ سے مطمئن نہ ہوئے
کتنے سانچوں میں تجھ کو ڈھالا ہے

یہ تو ظلم ہے ہم کو صرف نارسا کہئے
بخت آزما بھی ہیں، بخت آزما کہئے

کس سے اس زمانے میں ربطِ شوق پیدا ہو
اور ایسے عالم میں کس کو آشنا کہئے

دورِ مصلحت میں بھی ناصحوں کے آگے بھی
دل کی بات ہی کہئے اور برملا کہئے

تشنگی بھی ویسی ہے، بے بسی بھی ویسی ہے
کارزارِ ہستی کو اب تو کربلا کہئے

لازمی جو ٹھہری ہے آج ان کی دلداری
خار کو گلِ تازہ، آگ کو صبا کہئے

○

ترے وصال کا لمحہ حباب لگتا ہے
یہ خواب جاگتی آنکھوں کا خواب لگتا ہے

یہ میرے ہاتھ اسے چھُو کے دیکھنا چاہیں
وہ آدمی تو مجھے اک سراب لگتا ہے

ہمیں تو صرف شبیہیں ملی ہیں یا سائے
وہ کون ہیں جنہیں چہرہ کتاب لگتا ہے

میں زندگی کی حقیقت سے کچھ شناسا ہوں
سو مجھ کو شہر میں جینا عذاب لگتا ہے

یہ موسموں کا تغیّر اِسے بدل دے گا
لگے گا خاک جو چہرہ گلاب لگتا ہے

○

جانے کیا کیا نہ تماشا ہو گا
دل بھرے شہر میں تنہا ہو گا

بے وفا مجھ کو سمجھنے والے
تیرا معیارِ وفا کیا ہو گا

کسی بوسیدہ دریچے سے کبھی
نیا منظر نظر آتا ہو گا

میری قسمت میں تو ویرانی ہے
ہائے وہ شخص بھی تنہا ہو گا

آس اُس کی کبھی ٹوٹی ہو گی
اُس کا تکیہ کبھی بھیگا ہو گا

چاند راتوں کے گزر جانے پر
جانے کس حال میں دریا ہو گا

○
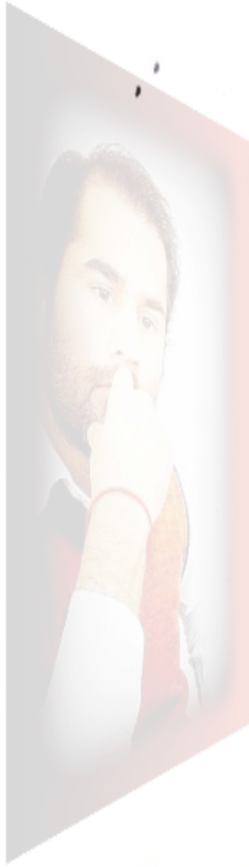
چار منارے

پیچھے
دُور تلک بے پایاں سبز فلک ہے
سبز فلک کے پس منظر میں
چار سپید منارے
آنکھیں دیکھیں
دل پر ہیبت چھائے
سر جُھک جائے
جیسے کسی کی اندھی اور سُونی کُٹیا پر
آدھی رات میں

کوئی فرشتہ اُترے

ایسی ہیبت چھائے دل پر

ایک منارہ

اُس کی عظمت کا اعلان

ایک منارہ

اُس کی بڑائی کا انداز

ایک منارہ

اُس کی محبت کا جُزدان

ایک منارہ

اُس کی سچائی کا راز

چار سپید منارے، آگے

پیچھے، دور تلک بے پایاں سبز فلک ہے
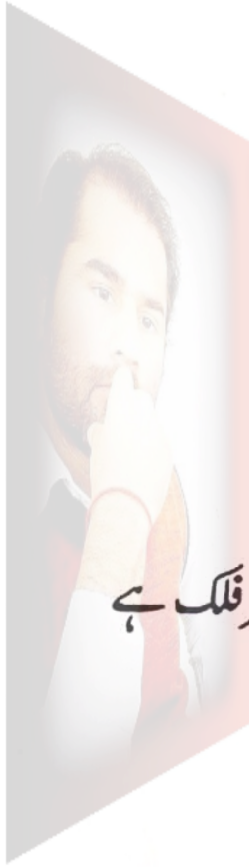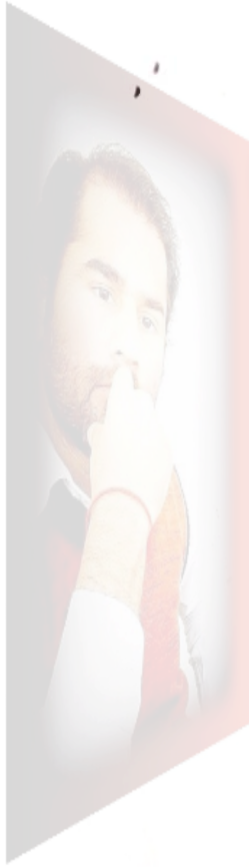
کیسے

غیروں کے ہر ستم کے مقابل تھے ہم چٹان
پھر آپ کے خلوص بھرے ایک لفظ سے
کیسے بکھر گئے؟

○

لمس زندہ رہے

جوتشی نے کہا:
تیرے مقسوم میں اک محبت ہے
ایسی محبت
ازل سے ابد تک کی سب چاہتوں کا جو حاصل ہے
عشق کی روح بھی جس میں جاری و ساری ہے
(اک وحشیانہ تڑپ اور کسک)
اور اُلفت کی دھیمی مہکتی ہوئی آنچ بھی جس کا حصّہ ہے
تیری قسمت میں ایسی محبت ہے
جو لمس سے ماورا
وصل کی خواہشوں سے جُدا ہے
داہنے ہاتھ کی ایک ریکھا بتاتی ہے

تجھ کو محبوب کے وصل سے کچھ تعلق نہیں
اس کی چاہت
فقط اس کی چاہت ترا منتہائے نظر ہو
تو بہتر رہے گا"
مرے دل سے اک آہ نکلی
مگر اس محبت سے کیا فائدہ
میں بھی جلتی رہوں
وہ بھی جلتا رہے
اب تو محبوب کو دیوتا جان کر
یا خدا مان کر پوجنے کی کہانی
فسانہ ہوئی
اب حقیقت جو ہے وہ فقط وصل ہے
اس کی اور میری ہستی کا شاہد
فقط لمس ہے
میرے مقسوم میں پیار ہے تو مرے ہاتھ میں
اے خدا !
وصل قائم رہے
لمس زندہ رہے
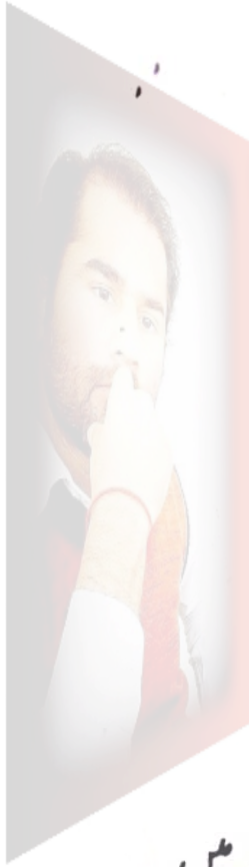
زمیں پر چاند تارے چاہتی ہے
محبت، استعارے چاہتی ہے

یہ لڑکی پتھروں کی سوچ والی
ہواؤں کے سہارے چاہتی ہے

فضا میں تیرگی ہے اور طبیعت
اُجالوں کے منارے چاہتی ہے

اَنا، مجھ کو صدا دینے سے روکے
کوئی مجھ کو پکارے، چاہتی ہے

بدن کشتی مرا، جذبے ہیں طوفاں
یہ کشتی اب کنارے چاہتی ہے

○

ہوں بے قرار شبِ ہجر میں سحر کے لئے
یہ زخم جاگتا رہتا ہے چارہ گر کے لئے

کئی ہنر جو مری انگلیوں پہ قرض رہے
وہی عذاب ہوئے مجھ کو عمر بھر کے لئے

رہیں اک عمر تلک نم ہی گو مری آنکھیں
مگر یہ سیپ ترستے رہے گہر کے لئے

وہ کیا طلسم تھا شب میں جو شب نژاد ہوئے
کہ ہم نے آس لگائی تو تھی سحر کے لئے

کسی کے درد میں بے اختیار رو دینا
یہ رسم فرض نہ کیوں ہو گئی بشر کے لئے

○

مُرجھاتے پھولوں کا موسم اچھا لگتا ہے
کیوں اس دل کو یاس کا عالم اچھا لگتا ہے

ہستی کے اس گنبد میں اک روزن ہی ڈھونڈیں
تاریکی سے نور کا سنگم اچھا لگتا ہے

جی کہتا ہے یونہی اُس کو تکتی رہ جاؤں
اس کی ہنستی آنکھوں میں نم اچھا لگتا ہے

رات کو جب پُروائی جھومے تارے روشن ہوں
آتی جاتی سانسوں کا رَم اچھا لگتا ہے

شوخی بھی اُس پر سجتی ہے لیکن جانے کیوں
مجھ کو تو وہ برہم برہم اچھا لگتا ہے

سوتے جاگتے لمحوں میں دل جانے کیا چاہے
نیند میں بیداری کا عالم اچھا لگتا ہے

دن کو کتنا ظالم کتنا کڑوا لگتا تھا
رات میں کیسے سورج کا غم اچھا لگتا ہے
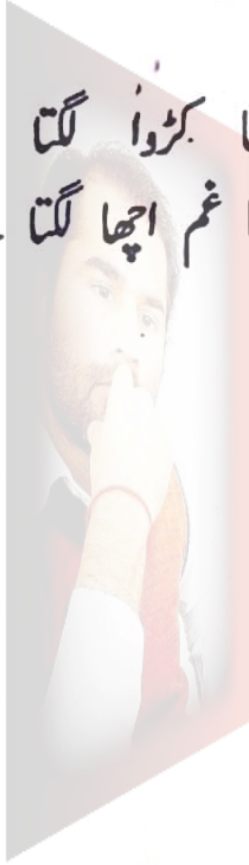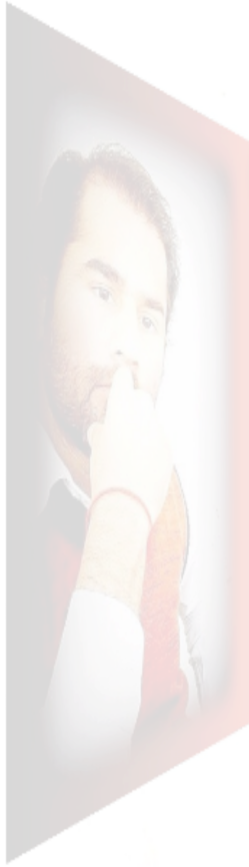
○

آئینوں کے درمیاں

آئینوں کے درمیاں
کٹتی ہے میری زندگی
ہر سمت ہے اپنا وجود
اور ہر طرف چہرہ مرا

اور اپنے ان مانوس چہروں کے ہجومِ بے پنہ میں
کس قدر تنہا ہوں میں

○
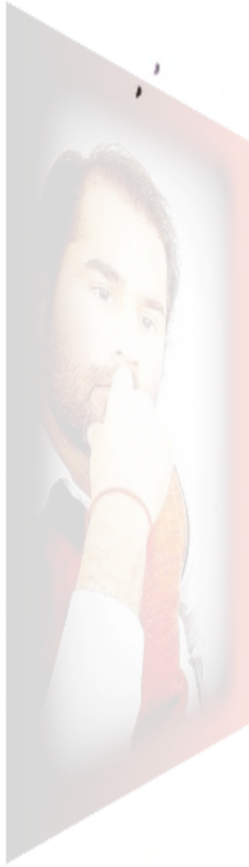
کھیتوں پر شبنم

دور تک
حدِّ نظر تک
سبز ریشم
سبز ریشم پر جڑے موتی
سحر دم جگمگائیں
صبح کی پہلی کرن کے ساتھ یوں چمکیں
سنہرے اور روپہلے رنگ
آنکھوں پر غضب ڈھانے لگیں
اُس دم
مجھے یہ زندگی پیاری لگے

○

سدھارتھ
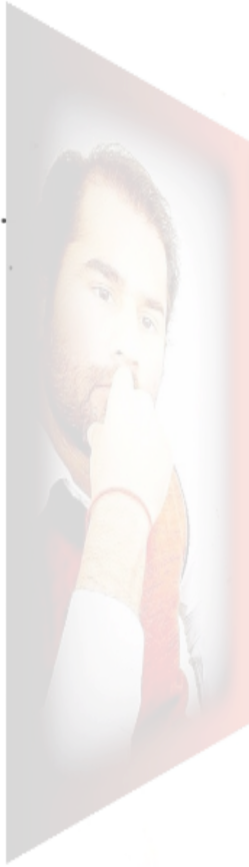
اُس کا غم
دل میں مرے
بیٹھا ہے یوں
آلتی پالتی مارے ہوئے
جیسے گیان میں ہو
کسی دھیان میں ہو
لب بھینچے
اور آنکھیں میچے
ہے گُم سُم
میں حیراں حیراں

آنکھیں کھولے
دیکھتی ہوں
اور سوچتی ہوں
پل بھر کو یہ
گر میری طرف
دیکھے تو میں
یہ عرض کروں کہ
تجھ جیسے گیانی کے لئے
یہ جگہ کچھ ایسی ٹھیک نہیں
یہاں سبزہ ہے
یہاں پانی ہے
یہاں سایا ہے
پر یہیں کہیں
دنیا کا لوبھ جو بستا ہے

○
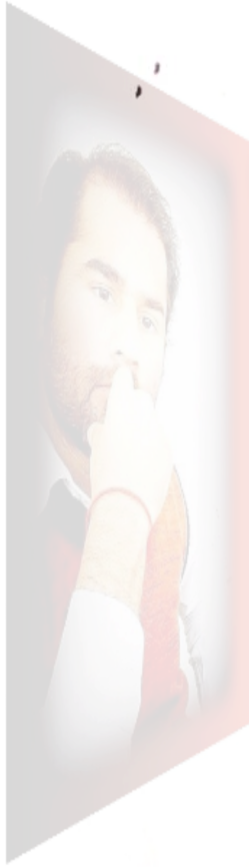
خوشبو کا کس لئے کوئی احساں اٹھایا جائے
پھولوں میں کیوں نہ مثلِ صبا سَرسرایا جائے

آنکھوں کو دیجئے ذرا ذوقِ نظر وری
اور دل کو دردِ دل کا قرینہ سکھایا جائے

اب تیرے در پہ دستکیں دینے سے فائدہ
کیوں ہاتھ بے سبب ہی مری جاں تھکایا جائے

دریا کے بند کھولیے ساگر سے جا ملے
اس روح سے وجود کا پتھر ہٹایا جائے

ہے دوسروں کے درد پہ ہنسنے کی خو انہیں
اپنے غموں کا کس سے تماشا بنایا جائے

ہم کو یہ فکر اُن سے نہ کٹ جائے ربطِ شوق
ان کو یہ فکر کس طرح پہلو بچایا جائے

وہ شخص جس کی یاد نہ آئی ہمیں کبھی
چاہیں جو بھولنا تو نہ ہرگز بُھلایا جائے

اِن میں سما چکی ہے مری سوچ کی تھکن
آنکھوں سے اب نہ بارِ نظارہ اٹھایا جائے

○
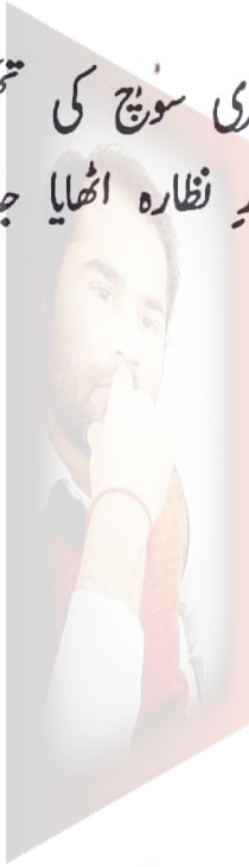
ابر گھرے تو آنچل آبی ہو جاتا ہے
موسم کا ہر رنگ شرابی ہو جاتا ہے

یونہی اچانک جب بھی اُس کی صورت دیکھوں
آنکھ کا نیلا کانچ، گلابی ہو جاتا ہے

کتنے اچھے لب ہیں نرم آواز ہے کتنی
پھر یہ لہجہ کیسے عتابی ہو جاتا ہے

ڈھلتے سورج کے سائے میں، زُلف سنہری
اور لبوں کا رنگ عنابی ہو جاتا ہے

اُس کے نپے تُلے لفظوں کے باعث اکثر
پیار کا ہر انداز نصابی ہو جاتا ہے

○

زندگی

موم ہے زندگی کہ شعلہ ہے
میں نے جلتے ہوئے بھی سوچا ہے
اور پگھلتے ہوئے بھی سوچا ہے
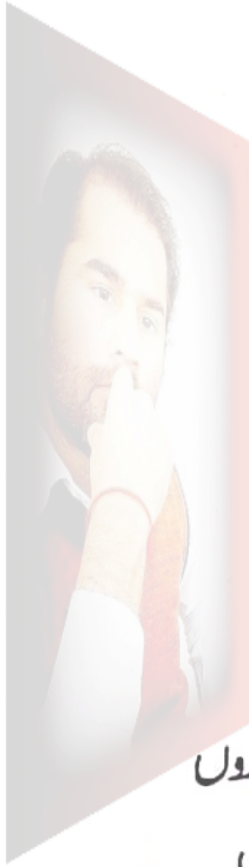
○

پتھراؤ

میں اپنے گِرد
پتھر کی فصیلیں کیوں نہ استادہ کروں
احساس کے شیشے کے محلوں میں
مجھے یہ لوگ رہنے ہی نہیں دیتے
کوئی آنسو بھی آنکھوں میں چمک جائے
تو یہ پتھراؤ کرتے ہیں

○
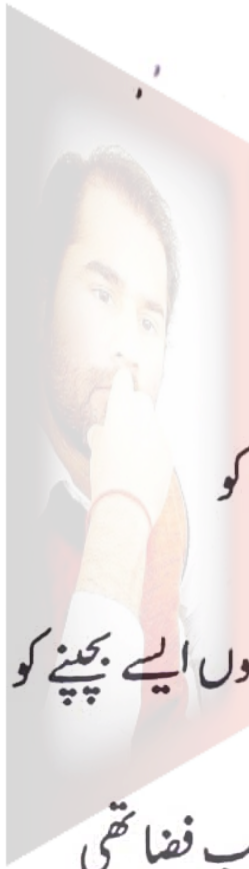
وہ کون دن تھے

عجیب دن تھے
جو بچپنے کی حسین گھڑیوں کو، بھولپن کو
جَلو میں لے کر گزُر گئے تھے
وہ سرخ، سبز اور سنہری کومل سی تتلیوں ایسے بچپنے کو
مثالِ بادِ شمال اُڑا لے گئے تھے
اور اک روپہلی، دھندلی، غبار ایسی عجب فضا تھی
میں جس میں محصور ہو گئی تھی
عجیب نا آشنا تھے وہ دن
جو میرے دل کو دھڑکنے کا اک نیا طریقہ سِکھا گئے تھے
جو مجھ کو پاگل بنا گئے تھے

عجیب صبر آزما تھے وہ دن
جو ذہن اور جسم میں اچانک ہی ایک تفریق کر گئے تھے
جو آنکھ کو مختلف طریقے سے (اک سلیقے سے)
اور ہی زاویے سے تکنے کے
سارے انداز دے گئے تھے
جو میری آنکھوں کو خواب دے کر
تمام نیندیں ہی لے گئے تھے
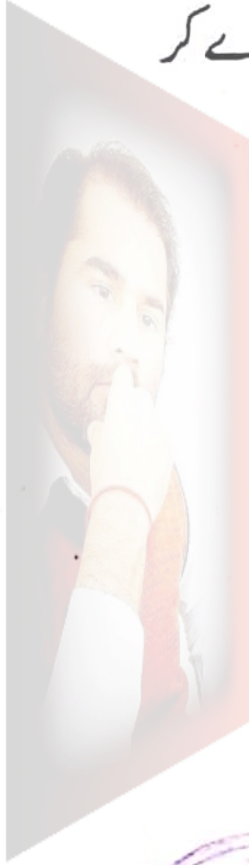
دل تمنّا کے سفر میں اِس قدر تنہا نہ تھا
حادثہ ایسا بھی ہو گا یہ کبھی سوچا نہ تھا

کارواں اُن رہ گزاروں سے بہت بچ کر چلے
جن پہ جلتی دھوپ گرتی تھی کوئی سایا نہ تھا

دل کے اندر ہی کہیں آنسو ٹپکتے رہ گئے
زندگی بھر درد سے آنچل مرا بھیگا نہ تھا

حادثوں نے لوٹ لی تھی زندگی کی دلکشی
پر خزاں کے وار سے یہ پھول کملایا نہ تھا

یہ زمیں اندر کے دوزخ سے جُھلستی رہ گئی
ابر چھایا تھا مگر کھُل کر کبھی برسا نہ تھا

رات اتنی تیرگی تھی اور اِس دل کے قریب
کوئی جگنو، کوئی تارا اور کوئی چہرا نہ تھا

○

بادلوں کا چاند پر سایا ہوا
ہر ستارہ آج ہے سہما ہوا

میں تو اُس کے واسطے ہوں اجنبی
وہ مجھے لگتا ہے کچھ دیکھا ہوا

روز گوری سج کے جنگل کو چلے
لوگ کہتے ہیں اسے سایا ہوا

پھول سے تتلی کی شوخی دیکھ کر
دیر تک پانی رہا، ٹھہرا ہوا

آسماں سے لا مکاں سے بھی پرے
ایک عالم ہے مرا دیکھا ہوا

اُٹھ کے کتنی بار کھڑکی تک گئی
جب درونِ دل کوئی کھٹکا ہوا

زندگی کا اب بھروسا کچھ نہیں
ہر نفَس لگنے لگا، مانگا ہوا

لہریں آپس میں لپٹ کر روئیں گی
جب سمندر سے جُدا دریا ہوا

رات دیکھا میں نے کچی نیند میں
اپنے تن پر چاند کو جُھکتا ہوا

جو چہرے خاک میں سوئے ہوئے ہیں
وہ یادوں میں ابھی تک جاگتے ہیں

تجھے معلوم ہے تیرے سب آنسو
مری پلکوں میں آ کر چھُپ گئے ہیں

گلابی بادلوں کی وادیوں میں
خیالوں کے انوکھے راستے ہیں

میں جب بھی جھانک لوں خود کو ہی دیکھوں
یہ آنکھیں ہیں تری یا آئینے ہیں

کبھی اوجھل ہوئی دنیا نظر سے
کبھی اپنا پتا بھی پا گئے ہیں

○

کس قدر انوکھے ہیں آرزو کے موسم بھی
ایک پل میں شعلہ بھی، ایک پل میں شبنم بھی

زندگی کی شورش میں، اِن دُکھوں کی یورش میں
ایک تیری خواہش ہے میرے دل کی محرم بھی

اِن اُداس آنکھوں میں چاندنی اُتر آئے
اِن اُجاڑ ہونٹوں پر گِر رہی ہو شبنم بھی

جاں لبوں پہ آتی ہے جب خیال آتا ہے
ساتھ وقت کے ہو گا پیار اُس کا مدہم بھی

جانے کتنی مدّت سے سیپیاں ترستی ہیں
اِن کے واسطے اُترے آسمان سے نم بھی

وصل دوش کا قصّہ، ہجر آج کا حصّہ
ایسے زندگی میری گیت بھی ہے ماتم بھی

ہم سے دور رہ کر وہ چین پائے گا کیسے
ہم جو صرف پتھر تھے، بے قرار ہیں ہم بھی

دل ہی جب نہیں ملتے کیا کریں گے دلداری
ہر کسی کی دلداری ہو گئی مقدّم بھی

کچھ لہو میں ویسے بھی گھُل گئی ہے تلخی سی
کچھ مزاج موسم کا ہو رہا ہے برہم بھی

○
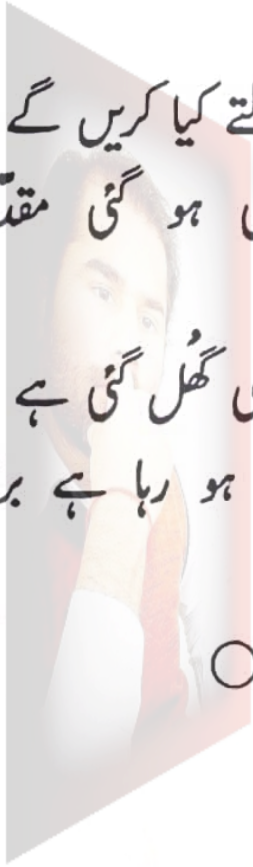
ہماری دربدری کا یہی اثر ہو گا
کہ اب بھی شہر میں ویران ایک گھر ہو گا

وہ خود پسند سہی وہ غم آشنا نہ سہی
تو کیا وہ جذبۂ الفت سے بے خبر ہو گا

کڑی ہے دھوپ تو کیا تیرے ساتھ نام مرا
کھُدا ہوا اُسی چھتنار پیڑ پر ہو گا

زہے نصیب مرے صحن میں پرند اُترے
اور ان میں کوئی ضرور اُس کا نامہ بر ہو گا

کسے خبر تھی کہ یوں شب کا رنگ پھیلے گا
کہ شہر بھر کو فقط خطرۂ سحر ہو گا

○

ساتھی

آخر ساتھ کہاں تک دیتا ساتھی کا
پھر ساتھی بھی ایسا چنچل
نچلا بیٹھ نہیں سکتا تھا
کچھ دن بادل
دوشِ ہوا پر لہرایا
پھر برس پڑا

○
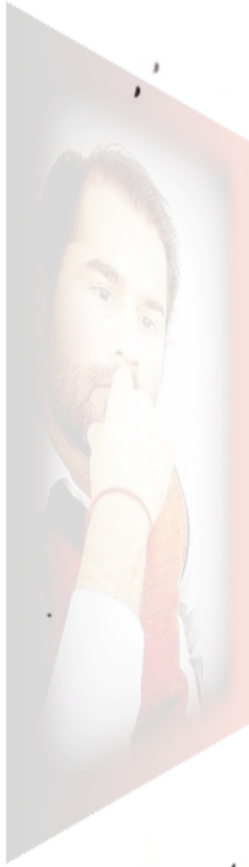
پت جھڑ کی اِک شام

ٹھنڈی ٹھنڈی شام کا عالم
ہر سو سرد ہوائیں تھیں
شیشم اور کیکر کے پیڑوں کے نیچے
پیلے پتوں کے کچھ ڈھیر سسکتے تھے
سورج کی مدہم مدہم سی گرم شعاعیں
دن کی ٹھنڈک کم کرنے سے قاصر تھیں
خشک انار کی کالی ٹہنی پر اک چڑیا
چپکے چپکے روتی تھی
کھیتوں کے سینے پر لیٹی

شہر کو جانے والی اک پگڈنڈی پر
وہ اُس روز چلا تو پیچھے مُڑ کر تکتا جاتا تھا

اور اب سبز رُتوں کا راج ہے
ہر آنگن میں پھول کھِلے ہیں
شیشم کے پیڑوں نے سبز قبا پہنی ہے
ننھی چڑیاں چین کے نغمے گاتی، راگ سناتی ہیں
آج کہ ہر سُو ہریالی ہے
آج بھی دل میں در آتی ہے لے کر اُس کا نام
پت جھڑ کی وہ شام

ققنس

میرا اور اُس کا مقسوم کچھ ایک سا ہے
(فرق اتنا ہے
میرا جنم مٹی سے ہوا ہے
اُس کا راکھ سے)
ہم دونوں کو اِس دھرتی پر
برسوں تنہا جینا ہے
ہم دونوں کو
اپنے اپنے راگ کی آگ میں
تنہا جل کر مرنا ہے

○

اعتراف

تجھی کو غم نہیں تنہا
اکیلا تو نہیں آزردہ خاطر
غم زدہ اور بے نوا' جاناں !
مجھے بھی یاد ہے اب تک
تری جلتی مچلتی خواہشوں کے بوجھ سے
میرے بدن کے ہر بنِ مو کا لرز جانا
مرے جذبوں کا پنکھڑیوں کی صورت
تیری وحشی قربتوں کی آنچ میں جلنا
وہ شبنم کی تمنائیں سلگنا
اور دمِ آخر
زمانے کی مُہیب آنکھوں کے ڈر سے
کانپ اٹھنا
اپنے اندر ہی سِمٹ جانا مرا

○

یہ نہیں صرف ترے اور مرے بیچ میں حائل غمِ دیوار رہا
روزنوں میں سے (فقط) دیکھتے رہنے کا بھی آزار رہا

چند لمحے جو کسی خواب کے مانند گئے، پھر نہ ملے
دل وہ ناداں ہے کہ اک عمر تلک اُن کا طلب گار رہا

اُس کی بانہوں میں سمٹ جانے کی گھُٹ جانے کی خواہش، توبہ
رات جب دیر تلک چاند تہہِ آب گرفتار رہا

جب بھی سوچا کہ خیالات کو پھر جمع کروں، رنگ بھروں
اک نیا دھیان شب و روز چمکتا، پسِ افکار رہا

○

صبا نفَس نہیں، بے اختیار کیوں گزرے
ملائمت سے شبِ انتظار کیوں گزرے

نچوڑ لیں مرے چہرے کی سرخیاں، پھر بھی
گریز پا مرے گھر سے بہار کیوں گزرے

سسک سسک کے کسی کا خیال کیوں آئے
اُلجھ اُلجھ کے تمنّا کا تار کیوں گزرے

اک عمر وقفِ رہِ ریگ زار کیوں ٹھہرے
حیات پیڑ کی بے برگ و بار کیوں گزرے

کسی کی چاہ میں گھر سے نکل پڑوں کیسے
یہ چاند رات سرِ رہ گزار کیوں گزرے

وہ رات لاکھ شبِ ماہتاب تھی پھر بھی
اُداس اُداس سحر کا غبار کیوں گزرے

زمیں ہی تنگ ہو جب آدمی پر
بھروسا کیا کرے گا زندگی پر

محبت کا وہ عالم یاد کر کے
ہنسی آتی ہے اپنی سادگی پر

پھڑکتی ہے سحر سے آنکھ ، شاید
کوئی افتاد پڑنی ہے کسی پر

ہے گل کے کونسے پردے میں خوشبو
نہیں کھلتا یہ عقدہ تیتری پر

لحد پر کھل رہی ہوں اک کلی ہوں
ہے استعجاب اس بالیدگی پر

نشاں دل پر جو پہلی چوٹ کا ہے
ہر اک چوٹ آکے پڑتی ہے اسی پر

○

دل کتنا گھبرایا جب
آنکھ نے سپنا دیکھا جب

یاد آیا پندار اپنا
کوئی ستارا ٹوٹا جب

کس کی خوشبو پھیل گئی
رات کا افسوں بکھرا جب

سچ کہنا کیا سوچا تھا
چُپ آنکھوں کو دیکھا جب

جشنِ بہار سے کیا حاصل
من اندر نہیں مہکا جب

کیا ہو منزل تک لے جائے
اک انجانا رستا جب

○

چاند کا گھاؤ

شب کے بے مہر سرد لمحوں میں
چاند نے بادلوں کے پردے سے
ایک چھوٹے سے گھر کے آنگن میں
اک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی
خشک پتوں سے جھڑ کے گرتے ہوئے
میلے میلے اُداس اُجالے میں
کچی مٹی کے ایک چولھے پر
ایک نو عمر زرد رُو لڑکا
سر کو گھٹنوں میں دے کے بیٹھا تھا
ٹھنڈے چولھے پہ ہاتھ رکھے ہوئے
سوچتا تھا کہ رات کو اس وقت
پیٹ کی آگ سرد کرنے کو
کون سے مہرباں کے گھر جائے
(ماں مری ہے تو بھوک بھی مر جائے)

○
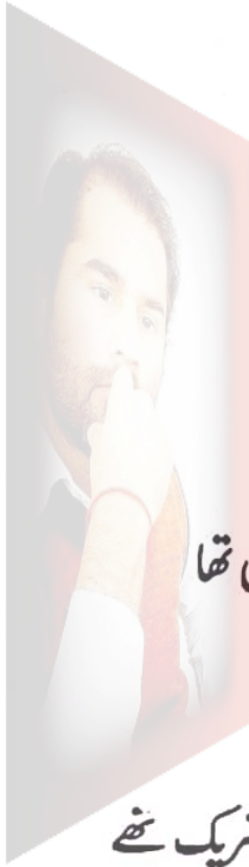
مہرباں

وہ ایک دن تھا
جو سال بھر میں شریک تھے
اُن دنوں کے جیسا وہ ایک دن تھا
جو معتبر تھا
وہ ایک لمحہ تھا
جتنے لمحے اُس ایک دن میں شریک تھے
اُن سے ملتا جلتا بس ایک لمحہ
جو محترم تھا
کہ نیم تاریک راہداری میں چلتے چلتے
جو اُس نے نظریں اٹھا کے دیکھا

ٹھٹک کے، رک کر جو اُس نے دیکھا
تو میں نے گھبرا کے سر جھکایا تھا
اس کی آنکھوں میں کیا تھا
پہلے پہل تو میں یہ سمجھ نہ پائی
پھر ایک لمحے میں
اس کی نظروں کے میری آنکھوں تلک پہنچنے کے ایک لمحے میں
کتنی صدیاں ٹھہر گئی تھیں
وہ ایک لمحہ جو محترم تھا
کئی زمانوں کے، سارے عالم کے راز
مجھ ناتواں پہ کتنے رسان سے آشکار کر کے
گزر گیا تھا

کاش

(۱)

میرے سونے ہونٹوں کو تو
وہ اک بار ہنسا جاتا
پاگل پیاسی آنکھوں کی
پل بھر کو پیاس بجھا جاتا
جتنا تڑپانا تھا مجھ کو
بے شک پھر تڑپا جاتا
جانے والا لیکن لوٹ کے آ جاتا

(۲)

کوئی صحراؤں کے مسافر کو
ایک ہلکا سا آسرا دیتا
سر پہ بادل اگر نہیں چھایا
کوئی رنگیں سراب لا دیتا

(۳)

رات چپکے سے اترتی آئے
دل کے آسیب زدہ ایواں میں
کوئی دھڑکن تو جگاتی جائے
کوئی مانوس سی آہٹ کوئی چاپ
کوئی دستک تو سناتی جائے

(۴)

کتنی تنہائی ہے تاریکی ہے
کوئی جگنو، کوئی تارا ہوتا
مرے ہمسائے میں آہیں بھرتا
یا کوئی ہجر کا مارا ہوتا

○
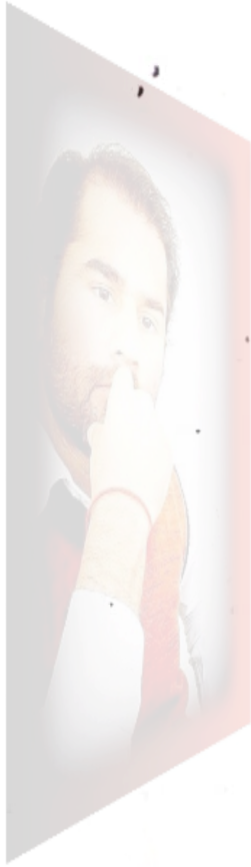
ایک لمحہ جو میرا ہے

جب میں بولوں
اور کوئی مری آواز سنے
یوں لگتا ہے
یہ لمحہ ہم دونوں کا ہے
یہ اک لمحہ جو میرے اندر کی سچائی کو
اس تک پہنچانے کا
اور جذبوں کی ترسیل کا ایک وسیلہ ہے
یہ لمحہ وقت کے پُرشفقت ہاتھوں نے جیسے
دونوں میں تقسیم کیا
کچھ اُس کا ہے، کچھ میرا ہے
جب وہ بولے
اور میں اُس کی آواز سنوں
یوں لگتا ہے
آواز کے اس افسوں میں ڈوب کے سوچتی ہوں
یوں لگتا ہے، یہ لمحہ
جیسے یہ لمحہ، بس میرا ہے

○

کلی کلی پہ دیا باغباں نے گو پہرہ
اُڑا ہی لائے ہیں بچے بنا کے گلدستہ

یہ کہنہ سال شجر کے تنے میں گہری کھوہ
یہیں سے جاتا ہے پریوں کے دیس کو رستہ

یہ لب فقط تری خاطر ہی مسکراتے تھے
جو تو نہیں تو یہ ہیں دل کسے طرح آزردہ

کلی نے راگ سنایا ہوا نے دف چھیڑا
اداسیوں میں بھی دل تھا فضا سے وابستہ

بدلتی رُت میں وہ دریا اُتر گیا لیکن
ہمارے شہر کا اُبھرا نہیں کوئی نقشہ

پرائے شہر میں تجھ کو نہ یہ بھی یاد رہا
کہ منتظِر ہے ترا کب سے کوئی غم دیدہ

جو سر جُھکانا ہی ٹھہرا تو اپنی سمت جھکے
کہ میرا دل بھی تو آخر ہے قبلہ و کعبہ
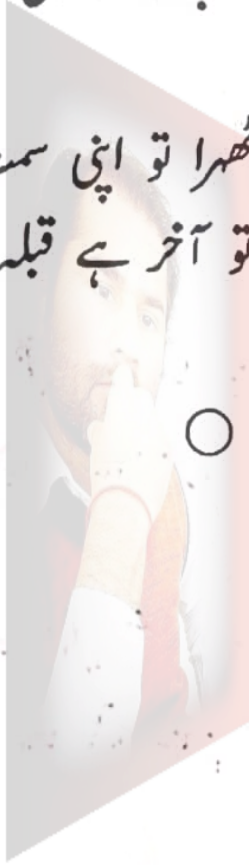
کب تلک اُڑتی پھروں گی خوشبوؤں کے ساتھ ساتھ
گھیر ہی لے گی تھکاوٹ موسموں کے ساتھ ساتھ

ایک جلتی دوپہر میں میرے ہونٹوں کی دعا
کاش اُس کے سر پر چھائے بادلوں کے ساتھ ساتھ

وہ اداسی تھی کہ ہم کو چھُپ کے رونا ہی پڑا
کچھ تو دل کا درد نکلا آنسوؤں کے ساتھ ساتھ

زندگی کی رنگا رنگی ایک طُرفہ چیز ہے
ہم بھی استعجاب میں ہیں آئینوں کے ساتھ ساتھ

کیسا افسوں تھا کہ جب وہ شہر سے رُخصت ہوا
پھول کھلتے جا رہے تھے راستوں کے ساتھ ساتھ

روحِ فطرت کی طلب میں اپنا پیکر چھوڑ کر
کنجِ گل میں تھر تھراؤں تتلیوں کے ساتھ ساتھ

چند لوگوں سے بچھڑ کر پھر ملے، حیراں ہوئے
ذہن بھی بدلے ہوئے تھے صورتوں کے ساتھ ساتھ

میری آنکھوں نے بھی پایا منزلوں کا کچھ پتا
گرد تھی یا روشنی تھی قافلوں کے ساتھ ساتھ

اُس کی اُلفت کے زمانے اب بھی یاد آتے تو ہیں
دھیما دھیما درد جب تھا راحتوں کے ساتھ ساتھ

دشتِ ظلمت میں بھٹکتے اک مسافر کے لئے
جی یہ چاہے جگمگاؤں جگنوؤں کے ساتھ ساتھ

○

ہر گھڑی نت نئی تمنّا ہے
زندگی کیا ہے اک تماشا ہے

دل کے ویراں کدے میں کس کا خیال
آج دھیرے سے گنگنایا ہے

وہ تو خوشبو ہے کیا گرفت کروں
کیسے باندھوں‘ ہوا کا جھونکا ہے

چاند اپنے تمام حسن سمیت
آسمانوں میں کیوں اکیلا ہے

بے قراری تو بڑھتی جاتی ہے
اور دل بھی خفا سا رہتا ہے

جب سمندر سِمٹ گئے مجھ میں
کون ساحل سے اب بُلاتا ہے

○

بھیگتی شام میں
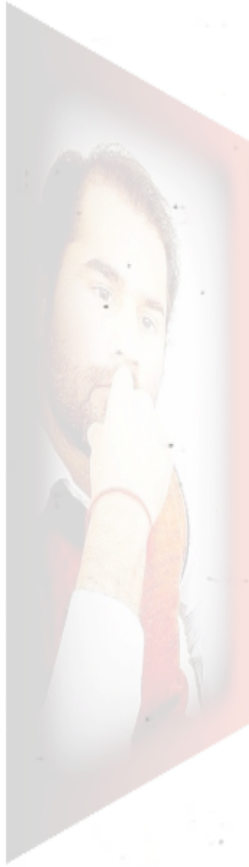
بھیگتی شام میں
اپنے کمرے میں
تنہا
کُھلی کھڑکیوں سے کبھی
طائرانہ نظر سے
بکھرتی ہوئی سرخیاں دیکھتے
چائے پیتے ہوئے
شعر کہنا
کوئی نظم لکھنا
کوئی بات
دنیا میں اس سے زیادہ
سُہانی بھی ہے ؟

○
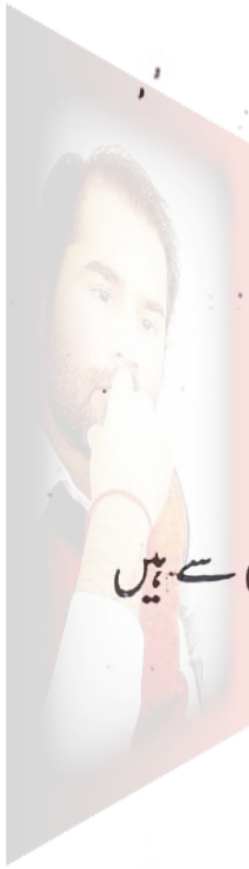
خدائے ازل و ابد کے نام

ازل کے پُر اسرار جنگل سے
ان دیکھے اندھے ابَد تک
جو ہے ایک نادیدہ ڈوری تنی
اُس سے آویزاں کچھ تختیاں روزِ اول سے ہیں
اور کچھ نام ان تختیوں پر لکھے ہیں
خدائے ازل نے
خدائے ازل !
تیرے لوح و قلم کے تقدّس پہ
اور تیرے خامے سے ٹپکے ہوئے فیصلوں پر
مرا سر جُھکا ہے
مرا دل ثنا خواں ہے تیرا

زمانے نے جو نام لکھے تھے اب تک
وہ حرفِ غلط کی طرح مِٹ چکے ہیں
مگر تو نے اپنے ازل سے بندھی ڈور کی تختیوں پر
جو کچھ نام لکھے ہیں
وہ تو ابد تک نہ مٹ پائیں گے
اے خدا! تو ازل سے ابد تک ہے
اور یہ تنی ڈور تیری رسائی سے باہر نہیں
سبز تختی پہ لکھے ہوئے
میرے محبوب کے اور مرے نام کو
جن کو صبحِ ازل تو نے لکھا
زمانہ مٹانا بھی چاہے
تو شامِ ابد تک نہیں مٹنے دینا
خدائے ابد ! اے خدائے ابد !
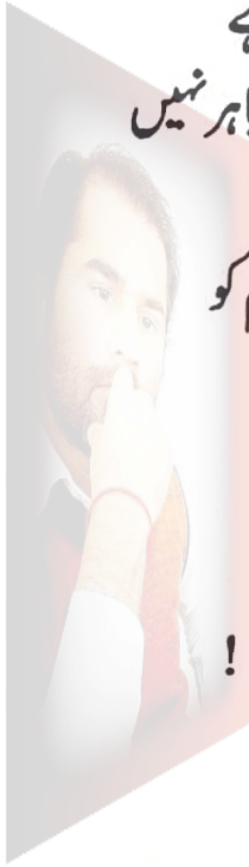
کچھ اِس قدر ہے مجھے قلب و جاں پہ قابو بھی
ہو لاکھ درد چھلکتے نہیں ہیں آنسو بھی

وفا کے باب میں مفلس نہیں ہوں میں تنہا
کسی قدر تو مری جاں غریب ہے، تو بھی

وہ کس طرح نہ بھلا میرے دل میں گھر کرتا
کہ کم سخن بھی تھا وہ شخص اور خوشرو بھی

عجیب تھا مرے آنگن میں خامشی کا فسوں
کہ اُس کو چھو نہ سکی فاختاؤں کی 'ہو' بھی

بدلتے رہنا تو اِن موسموں کی عادت ہے
گلُوں کو چھوڑنا ہو گی بہار کی خو بھی

ترے لئے ہیں بنی تیز رَو ندی کی مثال
سمندروں کی طرح مجھ کو کھینچ لے تو بھی

چارہ گر تھا نہ مسیحا اپنا
درد کوئی بھی نہ جانا اپنا

سوچ ساگر میں سرِ شامِ وفا
پھر رواں ہو گیا بجرا اپنا

کیا ستم ہے کہ ترے جانے سے
شہرِ جاں ہو گیا صحرا اپنا

اب یہاں رات کی رانی نہ گلاب
اب تو پت جھڑ سے ہے ناتا اپنا

اب سرِ شام کسک ہوتی نہیں
ہو چکا زخم پرانا اپنا

○

وہ دل میں کیسے سمائے گا میہماں کی طرح
مرا وجود ہے اُجڑے ہوئے مکاں کی طرح

بچایا ابر نے سورج کے قہر سے مجھ کو
وہ چھا گیا ہے مرے سر پہ سائباں کی طرح

کوئی بھی تیرِ ستم کیسے رائیگاں جائے
تمام لوگ تنے ہیں کڑی کماں کی طرح

چھپا لیا مری کوتاہیوں کو سینے میں
تری کشادہ دلی بھی ہے آسماں کی طرح

وہ جس کا نام بھی لینا نہیں روا مجھ کو
وہ آنکھ میں بھی رہا دید کے نشاں کی طرح

کچھ اس لیے بھی زمیں پر ہمیں پنہ نہ ملی
کہ سچ کو تان لیا سر پہ آسماں کی طرح

○

یہ عمر بھر کی رفاقت سے معتبر ٹھہرا
کہ تیرے وصل کا لمحہ ہی خوب تر ٹھہرا

تری ہی یاد مہک بھی ہے اور سایا بھی
ترا خیال کبھی گُل کبھی شجر ٹھہرا

بس اُس کے درد کا قصہ ہے گر سنو تو کہوں
پر اس کے درد کا قصہ بھی مختصر ٹھہرا

ڈگر ڈگر لئے پھرتی رہی نمو کی طلب
یہ دل نجانے کہاں رُک گیا کدھر ٹھہرا

وہ ایک نام کبھی سحر تھا کبھی خوشبو
وہ ایک نام کہ اب مجھ پہ بے اثر ٹھہرا

○

گلاب کہنا بھی

گلاب اُگانا تو ایک فن ہے
سیاہ مٹی کی کوکھ میں اس کی شاخ رکھنا
نکلتے بوٹوں کو سینچنا
اور کھِلے گلابوں کو توڑنا بھی
سیاہ بالوں میں
ایک اندازِ دلربا سے
کوئی کلی توڑ کر سجانا بھی ایک فن ہے
مگر جب اُس نے حسین آنکھوں میں شوخیاں بھر کے
مجھ کو دھیرے سے 'گل' کہا تھا
تو میں نے سوچا
کسی کے چہرے کو، مسکرا کے
گلاب کہنا بھی ایک فن ہے
بہت بڑا فن

دل دریا

شب کا پاگل کر دینے والا سناٹا
پَر پھیلائے
ہولے ہولے اُترا آئے
پچھلے پہر کے کچھ لمحوں میں
اُس کی سانسیں
چہرے پر محسوس کروں تو
اس کی قربت کے احساس میں
بھیگی بھیگی پلکیں کھولوں
اس کی گہری سرشاری سے
آنکھ چراؤں
یوں لگتا ہے
روم روم سے پھوٹ پھوٹ کر بہتی راحت
جھوٹی ہے
سینے کے اندر تو کوئی
دھیرے دھیرے روتا ہے

NARCISSISM

وہ آئینہ
جس پہ عالمِ خواب کا فسوں تھا
کہ حیرتوں کا عجیب موسم ٹھہر گیا تھا
نظر کے آگے، گلاب، ریشم، ہزار تارے
بکھر گئے تھے
ذرا اگر زاویہ بدلتا
تو کتنے ہی آفتاب آنکھوں میں کوند جاتے
عجیب کچھ ساعتیں تھیں وہ بھی
کہ ایک ایسی شبیہہ آج اُس کے سامنے تھی
وہ سوچتا تھا، کسی الف لیلوی محل سے
نکل کے آئی ہے شاہزادی
یہ کون ہے اب تلک کہاں تھی
کہ حیرتوں کا عجیب عالم اُس آئینے پر کھُلا ہوا تھا
تو کیا ہوا تھا
وہ اپنی ہستی کا سارا فخر و غرور لے کر
خود اپنے سینے پہ پھیلتے عکسِ دلربا میں
اُتر گیا تھا

○
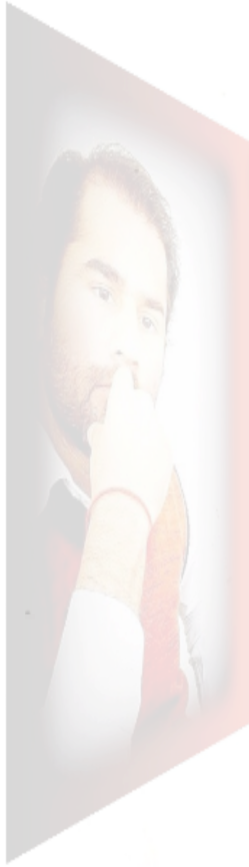
اصحابِ کہف

آ کہ ہم بھی سو جائیں
ایک میں ہوں اک تو ہے
ایک آرزوؤں کا
یہ سگِ وفا پیشہ
غار ڈھونڈ کر کوئی
نیم سرد تاریکی
اوڑھ کر، زمانے کی
سنگدل نگاہوں کی
دسترس سے ہم تینوں
اور دور ہو جائیں
زندگی کے میلے سے
حادثوں کے ریلے سے

چھُپ کے آج
کھو جائیں

نیند لے کے قرنوں کی
جب وجود کے اندر
ایک روشنی جاگے
آنکھ جب کھُلے تو ہم
اپنی اپنی ہستی کے
کیفیت شناسا ہوں
اور غار سے باہر
زندگی نئی صورت
اوڑھ کر مچلتی ہو
ظالموں کے سِکّوں کو
شہر بھر کہے کھوٹا
بس یہ فرق ہو
ہم سے
ہر کوئی شناسا ہو
ہم کو سب ہی پہچانیں

○
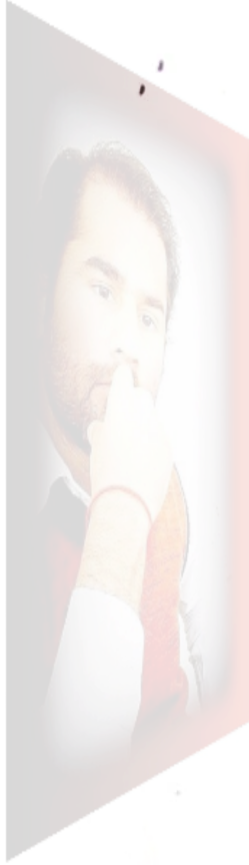
مایا بیل

مایا بیل میں اندھیارے کے پھول کھِلے ہیں
جیون جیسے
اندھا صحرا
چُپ کی مورت ویرانے کو
دیکھ رہی ہے آنکھیں پھاڑے
تن پر کالی چادر
من میں سوگ بسائے
کون کھڑا ہے
کس کی خاطر ریت میں شعلے
جاگ اُٹھے ہیں
کس کے لئے آنکھوں میں موتی
کس کے لئے سانسوں کے پنچھی اُڑنے کو
پَر تول رہے ہیں
جانے کیسے جگ جگ کرتی مایا بیل میں
اندھیارے کے پھول کھِلے ہیں

○

پناہ دی نہ کبھی زندگی کو ساحل نے
ڈبو دیا مری کشتی کو شوقِ منزل نے

وہ ایک شخص جو ٹھہرا تھا راندۂ درگاہ
اُسی پہ پھول نچھاور کیے ہیں محفل نے

مرا عزیز تھا سائے میں مجھ کو پھینک گیا
تپش میں دھوپ کی جلنے دیا نہ قاتل نے

عجیب رنگ سے آئی فراق کی ساعت
ترے خیال کی خوشبو کشید کی دل نے

○

درد اب تھم ہی گیا ہو جیسے
دل پہ وہ ہاتھ رکھا ہو جیسے

یوں در آیا ہے ہوا کا جھونکا
کوئی در باز ہوا ہو جیسے

اب ترے ہجر کے عالم میں یہ دل
اک دِیا ہے کہ بُجھا ہو جیسے

آج یوں چپکے سے آیا تھا وہ شخص
بیتے لمحوں کی صدا ہو جیسے

وہ مرے کرب سے واقف ہی نہ تھا
غیر کی یہ بھی عطا ہو جیسے

لوگ یوں مُہر بلب پھرتے ہیں
آسماں ٹوٹ پڑا ہو جیسے

○

دل سے بہت قریب وہ چہرا دکھائی دے
صحرا میں آسمان کشادہ دکھائی دے

یہ کیا کہ ہر وجود ہی تنہا دکھائی دے
کوئی تو اب کسی کا شناسا دکھائی دے

یہ رنگ، یہ خیال، یہ اُلفت، یہ آئینہ
ہر چیز تیری ذات کا حصہ دکھائی دے

خوشبو تو کب سے وقفِ ہوائے چمن ہوئی
اور پھول اُس کے ہجر میں روتا دکھائی دے

فرُقت کی رات ساتھ نہ دے پائے شب چراغ
اب دل کا ایک داغ ہی جلتا دکھائی دے

کتنے عجیب دُکھ ہیں محبت کے سارے دُکھ
یہ زندگی کی موج، کنارا دکھائی دے

○

گزر رہی ہے شبِ زندگی مری بے خواب
اُداس اُداس ستارے بجُھا بجُھا مہتاب

کچھ اِس قدر مجھے شدّت سے اُس نے چاہا تھا
کہ عمر بھر مرے پہلو میں دل رہا بے تاب

ابھی سمجھ نہ سکی میں محبتوں کے چلن
ابھی وفا کے نہیں سیکھ پائے تم آداب

بس ایک بار اِسے آنسوؤں سے سینچا تھا
مری امُید کا گلشن رہا سدا شاداب

قریب آ کہ تجھے میں حرارتیں بخشوں
ہیں منجمد ترے جذبے تو جسم ہے برفاب

○

گنبد بن جاؤ

لوگوں کا کچھ دوش نہیں ہے
یہ تو جب بھی چاہیں گے، بولیں گے
تم کو ان کی باتیں چاہے بُری لگیں یا بھلی لگیں
یہ تو زہر ہی گھولیں گے
تم چاہے ہنس کر پی جاؤ
یا پیشانی پر بل ڈالو
کانچ بنو تو ہلکا سا پتھر بھی
چکنا چور کرے گا
پتھر بن جاؤ تو تن کا بوجھ اُٹھانا، مشکل
بہت محال لگے گا

بادِ صبا جیسی روحوں پر
پتھر جسم کہاں سجتے ہیں
بادِ صبا جیسی روحوں کو
گنبد جسم ہی راس آتے ہیں

گنبد بن جاؤ !
لوگوں کی آوازیں تم سے ٹکرائیں گی
تم کو کوئی زخم لگانے سے پہلے ہی
صدا لگانے والے کی جھولی میں واپس جائیں گی
تم میری مانو' آنسو پونچھو
گنبد بن جاؤ !

آخرِ کار

پھر آخرِ کار
بند کمرے میں
ہمتیں ساری مجتمع کر کے
ہونٹ
تصویر پر جُھکے
ہونٹ، تشنگی سے سُلگتے
وحشی وجود
اندر کی کشمکش سے
چیخ رہا تھا
تو ہونٹ تصویر پر جُھکے
جب چھوا لبوں کو
اک آنچ نکلی
تو جل گئے ہونٹ
اور سارا وجود
شعلوں میں گھِر گیا تھا

○

ماہ گزیدہ

ہر شبِ فراق میں
یہ چاند
بادلوں کی اوٹ سے ہو مجھ پہ طعنہ زن
میں منہ چھپاؤں
اِس سے منہ چھپاؤں، تارے
کھلکھلا کے ہنس پڑیں
یہ چاند کے پڑوس میں ہیں، میرا راز
جانتے نہ ہوں
ہوا چلے تو مسکرائے
جیسے چاند نے اِسے بھی میری سب کتھا سنائی ہو
کبھی کھجور کے بلند پیڑ کی پھننگ سے
ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہے

کبھی یہ بام سے تکے
میں جھینپ جاؤں
من میں آگ سی لگے
میں کیا کروں
شبِ فراق !
میرے واسطے، مجھے جلانے کو بہت ہے تُو
میں تیرے زہر سے بچوں کہ چاند کے
شب فراق ! تو بتا
یہ چاند میرے تن کو کیوں ڈسے
میں کیا جیوں گی صبح تک
مرا بدن تو اِس کے زہر سے سنہرا ہو گیا

○
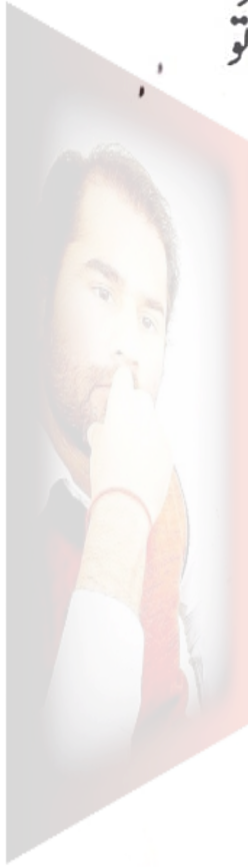
یہاں پتھر کے نیچے کچھ نمی ہے
جبھی تو گھاس پہلو سے اُگی ہے

ہیں ہلکے زرد گہرے زرد پتے
ابھی رنگوں کی دنیا جاگتی ہے

ندی میں ناچتی ہے روشنی سی
کرن ہے چاند کی یا جل پری ہے

یہ ننھی سی کلی بس مسکرا کر
بقا کا راز مجھ سے کہہ گئی ہے

متاعِ علم و دانش آپ رکھیے
متاعِ جاں مجھے اک بے کلی ہے

○

سوچ کے جلتے صحراؤں میں چلتے بیت گیا
جیون، منزل کی آشا میں روتے بیت گیا

ہجر کے لمبے دن جیسے صدیوں پر پھیلے تھے
اُس کے وصل کا لمحہ کس تیزی سے بیت گیا

شام ہوئی تو رُکتی سانسوں جلتی آنکھوں سے
میں نے بیٹھ کے غور کیا، دن کیسے بیت، گیا

اتنی شورش تھی ہستی کی جانے پھر کیسے
ایک زمانہ چُپ کی چادر اوڑھے بیت گیا

○

جس شخص کو دیکھا وہی تنہا نظر آیا
اور روح میں ناسور ہی رِستا نظر آیا

اس دل نے کبھی دامنِ امید نہ چھوڑا
یہ دل تو سدا محوِ تمنّا نظر آیا

ہر شخص میں اُس شخص کی صورت نظر آئی
ہر راستا اُس شہر کا رستا نظر آیا

وہ پیڑ جو بارش میں پنہ گاہ بنا تھا
وہ پیڑ کڑی دھوپ میں بھیگا نظر آیا

جب رات گئی، بات گئی، بزم کا ہر فرد
چہرے پہ لئے یاس، اکیلا نظر آیا

جو جبر ہو مِٹ کر بھی مکمل نہیں مِٹتا
ہر سمت ہی شب زاد اُجالا نظر آیا

○

زمیں کو زخم ملے آسماں پہ پھول کھِلے
مکاں اُجڑتا گیا لامکاں پہ پھول کھِلے

ہمارے بعد کی نسلوں کو کیا ملے کہ یہاں
یقیں کا خون ہوا اور گُماں پہ پھول کھِلے

کبھی مکاں و مکیں میں یہ فرق بھی دیکھو
کہ میرا جسم ہے صحرا مکاں پہ پھول کھِلے

وہ کیسا سِحر تھا قاتل کے دستِ شبنم میں
کہ اُس نے تیر جو چھوڑا کماں پہ پھول کھِلے

صبا کی طرح وہ لب مجھ کو گُدگدا کے گئے
یہ جسم شاخ ہوا اور جاں پہ پھول کھِلے

زمیں کی گود بھری ہے زمیں کے بیٹوں نے
جہاں سے سنگ ہٹائے وہاں پہ پھول کھِلے

○

دل کو اُس کی چاہ میں برسوں رونا ہے
چاند کی خواہش اِس بچے کا کھلونا ہے

جس کے دُکھ پر آنکھیں بھر بھر آتی تھیں
اُس کو اُس کے سکھ کی خاطر کھونا ہے

جھوٹے سپنے دیکھنے والی لڑکی کو
رات گئے تک چپکے چپکے رونا ہے

جسم کا جنگل اب تو جل کر راکھ ہوا
بارش کا ہونا بھی اب کیا ہونا ہے

ڈھلتے سورج کے سائے میں بہتا ہوا
دریا ہے یا پگھلا پگھلا سونا ہے

ق

دھوپ چڑھے سے دھوپ ڈھلے تک ماؤں کو
آنگن کی خاموشی سن کر رونا ہے

سات سمندر پار سے آئے خط پڑھ کر
رات گئے پھر آہیں بھرتے سونا ہے

بھولی بھالی اُس کی صورت میرے لئے زنجیر ہوئی
میں تو چھوٹی عمروں ہی سے اُن نظروں کی اسیر ہوئی

پھول کا کھِلنا، سنولانا اور مُرجھانا ہے روز کی بات
یہ فطرت کا کھیل ہے، پگلی تتلی کیوں دلگیر ہوئی

رات کو دیکھے خوابوں کی تعبیر تو شاید مل جائے
جاگتی آنکھوں کے سپنوں کو حاصل کب تعبیر ہوئی

میں نے دنیا بھر کی آسائش سے ناتا توڑ لیا
اُس کا غم اور اس کی یاد ہی اب اپنی جاگیر ہوئی

روز گزرنے والا راہی جانے اب کس دیس گیا
چلمن کے پیچھے اک لڑکی بیٹھی ہے تصویر ہوئی

ایک اس کی چاہت ہو باقی پیار بلا سے چِھن جائیں
کس لمحے کی سوچ تھی جانے اب تو یہ تقدیر ہوئی

یوں لگتا تھا تاریکی میں ہی اب عمر بِتانی ہے
ٹوٹا تو ہے افسوں شب کا اور ظاہر تنویر ہوئی

تنہائی میں بیٹھ کے اب تو رات گئے تک سوچتی ہوں
جب وہ ہاتھ چُھڑا کر جاتا تھا کیوں دامنگیر ہوئی
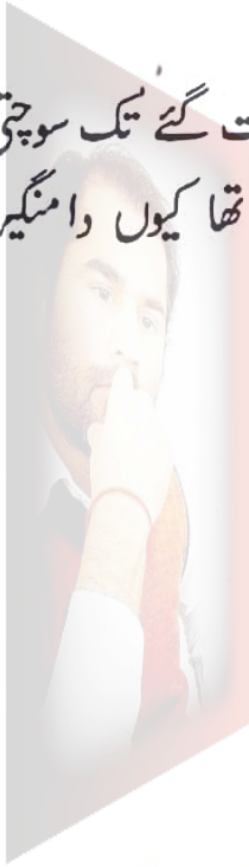
زمہریر
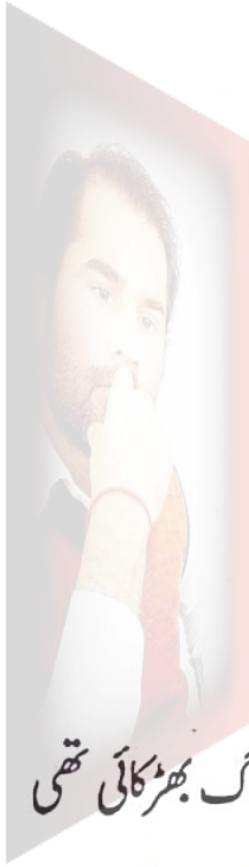
خواہشیں آگ تھیں
جسم کے، قلب کے، روح کے
سارے جذبے تھے آتش فشاں
ایک وہ وقت تھا
جب اُمنگوں نے سینے میں اک آگ بھڑکائی تھی
ولولوں کی تپش سے
نفَس کی ہر اک لہر شعلہ بجاں تھی
عجب وقت تھا جب محبت کی حدّت ہی
میرے بدن کا، مری روح کا
ناز تھی

زندگی سربسر راز تھی
پھر بدن کے تقاضے نہ پورے ہوئے
روح کی تشنگی، تشنگی ہی رہی

خواہشوں کی تپش پر
محبت کی حدّت پہ
حالات کی برف گرنے لگی
آگ بجھنے لگی
میں ٹھٹھرنے لگی
میں ٹھٹھرتی رہی
برف گرتی رہی
برف گرتی رہی، برف گرتی......
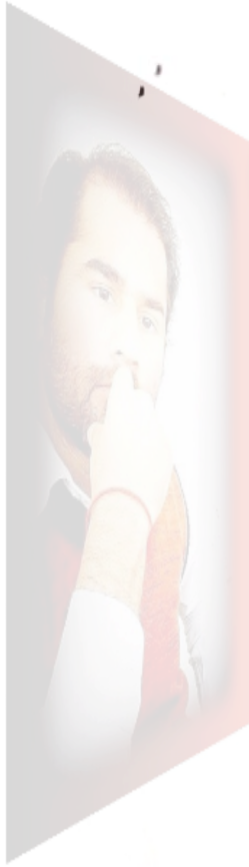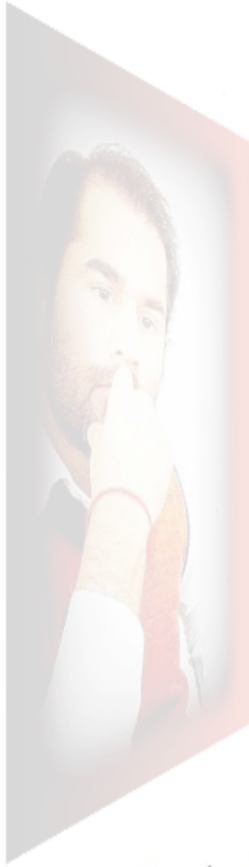
آسماں سپید ہے

آسمان
دیکھتا رہا کہ ہم پہ زندگی نے
کیا ستم کیے
کئی ہزار سال تک
ہمارا کرب
کور چشم آسمان دیکھتا رہا
خموش، بے نیاز، خود غرض، تماشہ بیں
کہ جیسے اُس کا ہم سے کوئی واسطہ نہیں
کہ جیسے ہم کو صرف اِس زمین نے جنم دیا
کہ جیسے وہ زمیں کا آشنا نہ تھا
زمین کا خدا نہ تھا

زمیں ہمارا درد چوستی رہی
ہمارا کرب ہم سے لے کے آپ اوڑھتی رہی
زمیں ہماری ماں ہے
آسماں ہمارا کچھ نہیں

یہ آسمان
جس کا دل ہے مرمریں، سپید
خون بھی سپید
آنکھ بھی سپید
آسماں ہمارا کچھ نہیں

○

زندگی ایک جبر اور قہر کا سلسلہ سہی
ہم کو تمہارے نام کا تھوڑا سا آسرا سہی

اپنی نظر کے واسطے دونوں ہیں وجہِ اضطراب
چڑھتے اترتے چاند کے رنگ جُدا جُدا سہی

راہ بھٹک کے کتنے ہی کارواں خاک ہو گئے
کہنے کو اُس کے شہر کا ایک ہی راستہ سہی

میری نظر سے دیکھئے اُس کے جمال و ناز کو
لوگوں کے واسطے وہ شخص بے زر و بے نوا سہی

ایسی ہوا چلی کہ سب زخم ہی مندمل ہوئے
شام ہوئی تو تھوڑی دیر مانا یہ دل دُکھا سہی

شوقِ سفر کچھ ایسا بڑھا، درد ہو گیا
گرمی کی شدتوں سے بدن سرد ہو گیا

گو شوخیِ صبا سے نہ چٹکی کوئی کلی
کتنے گلوں کا رنگ مگر زرد ہو گیا

ہر شے میں اُس کے واسطے رکھوں سنبھال کر
وہ گویا میرے گھر کا ہی اک فرد ہو گیا

جب ایک راستے پہ قدم ہو گئے رواں
ہر راستہ نظر میں مری گرد ہو گیا

○

روپ کی ہیں متوالی آنکھیں
سپنا دیکھنے والی آنکھیں

من درپن کی ویرانی سے
ہو گئیں خالی خالی آنکھیں

سہمی سہمی گھائل گھائل
پاگل خوابوں والی آنکھیں

اُجلا چہرہ، ناگن زلفیں
اُس پر کالی کالی آنکھیں

سپنا، جادو، سُر اور خوشبو
ہر شے کی متوالی آنکھیں

چہرہ اُس کا انجانا سا
لیکن دیکھی بھالی آنکھیں

○

بجھتے کیوں ہو

کیا اندر سے خالی ہو
کیا اندر سے تم بالکل ہی خالی ہو
اچھے اور بُرے جذبے ہیں کہاں تمہارے
دُکھ اور سُکھ کا، مایوسی کا، نومیدی کا
یا امید کا کچھ احساس
کوئی فہم، کوئی ادراک
آس نراس
پیار، محبت، چاہت
یا پھر گہری نفرت
کیا اندر سے خالی ہو تم
آدمیوں کے سارے جذبے کھو بیٹھے ہو
یا باقی ہیں
باقی ہیں تو بجھتے کیوں ہو؟

ہم بھی ہوتے شاہ بلوط

پت جھڑ موسم جب بھی آئے
کومل کومل پودوں کو بھی
سُندر سُندر پھولوں کو بھی
دق ہو جائے
کتنا ہی مضبوط شجر ہو
نرم ہوا کا اک جھونکا بھی سہہ نہیں پائے
سارے پتے جھاڑ کے اتنی مایوسی سے
سر نیہوڑائے

جیسے کوئی عمر رسیدہ شخص
جواں بیٹے کی موت پہ گھنا جائے
پت جھڑ میں پتوں کا گرنا
انسانوں کا مر جانا فطرت ہے لیکن
پیلا پڑ کر مرنا مشکل لگتا ہے
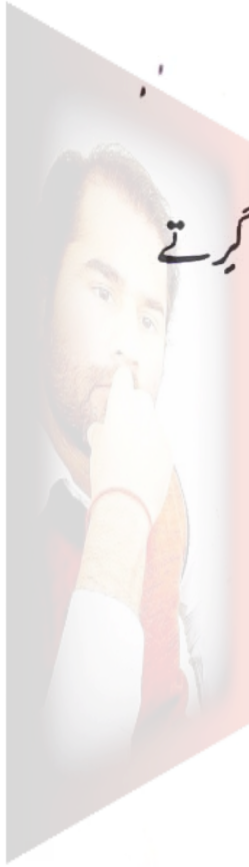
ہم جو ہوتے شاہ بلوط
تو اپنے پات جو پت جھڑ میں شاخوں سے گرتے
سرد ہواؤں کی سنگت میں اُڑتے پھرتے
مٹی میں بھی رِل جاتے تو
سرخ ہی رہتے
زرد نہ پڑتے

دیر آید

سَحر کا سورج طلوع ہوتے
اُداس آنکھوں سے دیکھتی ہوں
میں شب گزیدہ تھی، شب گزیدہ ہوں
پر یہ سورج مری نگاہوں میں چُبھ رہا ہے
میں اِس سے مانوس اب نہیں ہوں
وہ شب بہت ہی طویل عرصے تلک رہی تھی
وہ شب کڑی تھی
مگر کڑے پن میں یہ سَحر اس سے بڑھ گئی ہے
میں منتظِر تھی اِسی سحر کی
اسی اجالے کی منتظر تھی

یہی سحر مجھ سے روٹھ کر جانے کن جہانوں میں کھو گئی تھی
میں منتظر ہی رہی، تڑپتی رہی ہوں کب تک
نجانے کس سوگوار لمحے میں
آس چپکے سے سو گئی تھی
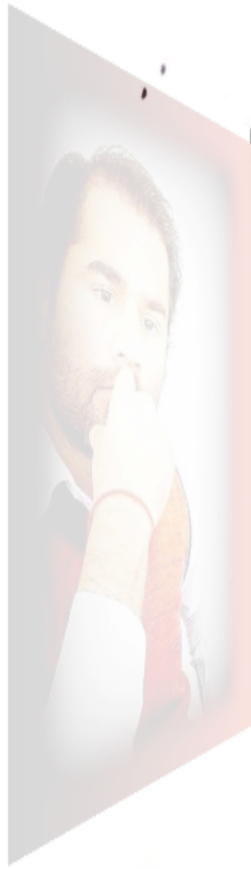
طلوع ہوتا ہوا یہ سورج
حسیں سہی، مہرباں سہی، جاوداں سہی
اب مجھے یہ تکلیف دے رہا ہے
میں اسکی رخشندگی سے، تابندگی سے
آنکھیں چُرا رہی ہوں
سحر کا سورج مرے لئے ہے
مرے لئے ہے
مگر میں شب زاد ہو چکی ہوں !

رات اور انتظار

رات بھر گرتی رہی اشک کی صورت

شبنم

رات بھر چلتی رہی بھیگی ہوئی

سرد ہوا

نرم پودوں میں گزرتی ہوئی

مدہم مدہم

رات بھر چاند سلگتا رہا

ہولے ہولے

چاندنی روتی رہی میرے دریچے سے پرے

رات بھر رقص میں مصروف تھے

خوشبو کے قدم

رات بھر میں، مری مغموم نگاہیں

مری یاس

ترے آنے کی سرِ شام لگی تھی جو مجھے

وہی دم توڑتی آس

دل میں مہکا ہوا غم

اور یہ پلکیں پُر نم

میری مغموم نگاہیں

بے خواب

رات بھر جلتے رہے اپنے ہی شعلوں میں گلاب

○

زخمی ہوئے ہیں ہاتھ کئی بُت تراش کر
کہتا ہے شوق ان میں خدا بھی تلاش کر

اک تال پر دھڑکتے ہوئے دل، ذرا ٹھہر
اب کائنات بھر کے نہ تُو راز فاش کر

میرے لہو کی چاٹ لگی ہے تجھے مگر
میں کتنی غم زدہ ہوں بدن کو تراش کر

تُو دیوتا نہیں ہے مگر پھر بھی رحم کھا
داسی نہیں ہوں، پھر بھی مجھے مت نراش کر

اپنے وجود کی تجھے پہچان کچھ تو ہو
آئینہ ء خیالِ صنم پاش پاش کر

شامل نہیں نمائشِ تن جب خمیر میں
پھر دل کی سمت کوئی تو رستہ تلاش کر

○

صبا کی طرح مجھے چھو کے چلنے والا تھا
ترا جمال نظر میں سمٹنے والا تھا

عجیب روشنی کر دے بس اُس کی ایک صدا
چراغ سا مرے آنگن میں جلنے والا تھا

وہ آئینے کی طرح میری منجمد حیرت
جب اُس کے چہرے سے پردہ اُترنے والا تھا

نجانے میرے ہی جذبے تھے برف کی صورت
کہ اُس کا لمس، بدن سرد کرنے والا تھا

صدائے 'کُن' تھی کہ تجسیم ہو گئیں سوچیں
نئی طرح کا اک انسان بننے والا تھا

سمندروں میں بھی رستے تو بن گئے ہوں گے
کہ سیپیوں کے لئے نم اُترنے والا تھا

سِمٹ کے رہ گئے اپنے ہی بازوؤں میں شجر
ہوا کے وصل کا لمحہ بکھرنے والا تھا

وہ شام، شامِ اَلم میں بدلنے والی تھی
پھر اک خیال، تمنا میں ڈھلنے والا تھا

محبت بھی انوکھا حادثہ ہے
تجھے پایا تو خود کو کھو دیا ہے

یہ کس کو ڈھونڈتا ہے پانیوں میں
ندی میں چاند کب سے جھانکتا ہے

ترے غم سے رہائی کیسے پاؤں
یہ اب میرا مقدر ہو چکا ہے

محبت ہی محبت ہوں سراپا
ترا دل اور کس کو کھوجتا ہے

وہ جس کی ہر ہی ہم پر گراں تھی
وہی کشتی کا اب تو ناخدا ہے

تری یادیں جہاں تھیں میرے دل میں
وہاں پھولوں کا بَن کھِلنے لگا ہے

○

اتنے ستم فراق کے سہنے پڑے ہمیں
اپنے ہی لوگ اجنبی لگنے لگے ہمیں

اپنی ہی صورتوں کی نہیں جن کو سوجھ بوجھ
وہ لوگ بھی دِکھانے لگے آئینے ہمیں

دعویٰ تھا جن پہ جان چھڑکنے کا وہ عزیز
دراصل اپنے آپ سے پیارے نہ تھے ہمیں

منزل کا اب خیال ہی چھوڑیں کہ رہنما
کیا کیا حسین خواب دِکھانے لگے ہمیں

ہنس کر ملے، قریب ہوئے، دل میں گھر کیا
کچھ لوگ چھوڑ چھاڑ کے پھر چل دیے، ہمیں۔

اخلاص و مہر، راستی، انسان دوستی
ایسے ہی کچھ اصول تھے، مہنگے پڑے ہمیں

○

روز و شب کا سلسلہ ہے یا عذاب
زندگی ہے اک مسلسل اضطراب

آدمی کا آدمی سے رابطہ
موت سے پہلے کوئی یومِ حساب

مل گئی ہے چند روزہ زندگی
اور اِس میں الجھنیں ہیں بے حساب

کیوں نہ چھا جائے جبیں پر تیرگی
میرے اندر ڈوبتا ہے آفتاب

زندگی ہے موت کی جانب رواں
دھیرے دھیرے کِھل رہا ہے اک گلاب

○
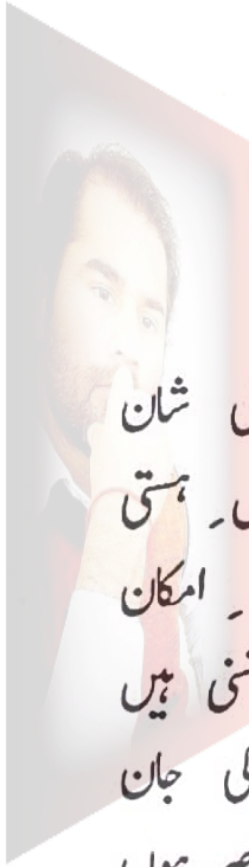
یا نبیؐ

یا نبیؐ آپ دو جہاں کی شان
آپ کے دم سے محفلِ ہستی
آپ کے دم سے عالمِ امکان
آپ گو اس قلم کی روشنی ہیں
آپ ہی میری شاعری کی جان
آپ کی مدح سے میں قاصر ہوں
ہو قبول آج میرا عجزِ بیان
سارے الفاظ چھوٹے لگتے ہیں
میرے ماں باپ آپ پر قربان!

○
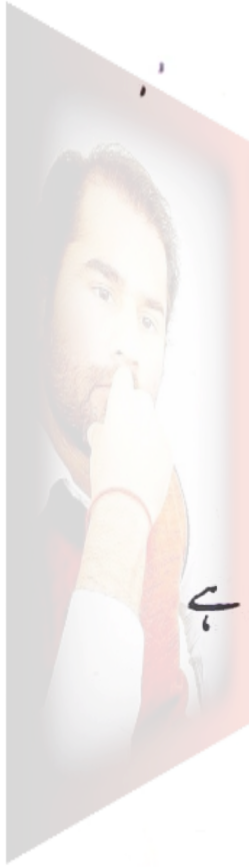
مسکرا اے زندگی

ستارہ ٹوٹتے دیکھا تو یاد آیا
کوئی شے مدّتوں پہلے
مرے اندر بھی ٹوٹی تھی
وہاں اب تک ---------------- خلا ہے
زندگی سے بھر گیا ہے دل
مگر جینا
ہماری ایسی مجبوری ہے، جس کو ہم
ہمیشہ سے، بصد راحت
گوارا کرتے آئے ہیں
ہر اک شے بے تسلسل، بے حقیقت ہے
گھنا جنگل

کسی ٹھہری ہوئی کالی سیہ شب کی قبا میں
جگمگاتا ہے کوئی جگنو
مگر پھر ڈوب جاتا ہے
ہوا کی انگلیاں پانی پہ لکھتی ہیں
ہمارا نام
اور صحرا کے سینے پر
سرابِ آرزو بڑھتا ہی جاتا ہے
یہ کربِ زندگی شاید کبھی کم ہو
مگر جینا ہماری ایسی مجبوری ہے
جس کو ہم' بصد راحت
گوارا کر رہے ہیں
ہم کسی بے نام منزل کے مسافر
چل رہے ہیں
جی رہے ہیں اور خوش ہیں
ہم بہت خوش ہیں
یقیں کر' مسکرا
اے زندگی' اے زندگی

یہ فیض میرے لئے میرے آفتاب کہاں
میں آنکھ بھر کے تجھے دیکھ لوں یہ تاب کہاں

یہ کون جانے کہاں پانیوں کا مسکن ہے
ہے ریگزار میں بہتا ہوا سراب کہاں

مرا خدا تو کوئی ظلم کر نہیں سکتا
یہ میرے نام کے لکھے گئے عذاب کہاں

کوئی تو اُس سے مجھے بھی لگن رہی ہوتی
محبتیں ہیں کہاں اور وہ عتاب کہاں

بہار آئی ہے اب کے تو آگ رنگ لئے
ہیں شاخ شاخ پہ شعلے کھِلے، گلاب کہاں

ہر ایک شے میں قرینہ رہا ہے شہروں میں
پر اِس قدر ہیں خرابے بھی اب خراب کہاں

بتاؤں کیا مری اُس سے جو بات چیت ہوئی
سوال ہی نہ کوئی ہو تو پھر جواب کہاں
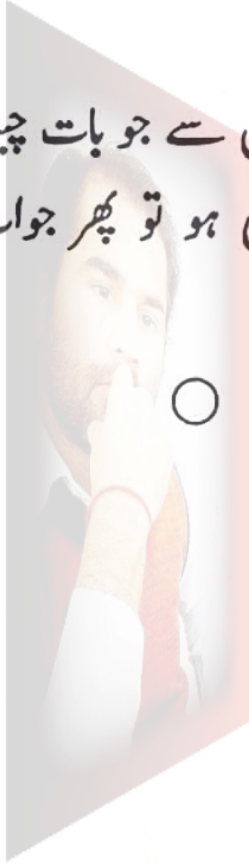
ہواؤں کی لگن آنچل میں اُتری
میں کل بستی سے جب جنگل میں اُتری

لگا، کوئی دلہن شرما رہی ہے
جب اک ننھی کرن بادل میں اُتری

جو اپنی روح اکثر کھوجتی تھی
وہ لڑکی جسم کی دلدل میں اُتری

یہ کیا جانے مزہ اُس کے مِلن کا
یہ کیسی بے خودی پائل میں اُتری

تو پھر آنکھوں کو ہنسنا کیوں نہ آتا
تری شوخی مرے کاجل میں اُتری

میں دنیا کا پتہ بھولی ہوئی جب سے
خود اپنی ذات کے جنگل میں اُتری

○

ڈھل گئی پھر شبِ وعدہ آخر
تھک گئی جھومتی پُروا آخر

نیند کے پنکھ کُھلے آنکھ لگی
وہ فسوں رات کا ٹوٹا آخر

اُس کی اُلفت میری ہستی کا ثبات
کُھل گیا آنکھ پہ عُقدہ آخر

اُس کی بانہوں کے سہارے کی طلب
اپنی بانہوں میں سمٹنا آخر

○

سمندر زندگی ہے

سمندر زندگی ہے
دور تک
حدِّ نظر تک پھیلتی
مچلی ہوئی، بپھری ہوئی موجیں
جزیرہ بھی نہیں کوئی
نہ خشکی کا کوئی ٹکڑا
سمندر زندگی ہے
اور مری ناؤ
شکستہ
اور طوفانوں کا شور آتا ہے
ہر جانب سے کانوں میں
میں تنہا ہوں
سمندر زندگی ہے
اور مرے پتوار
میرا ناخدا لے کر
اندھیرے میں
کسی ساحل پہ جا اُترا
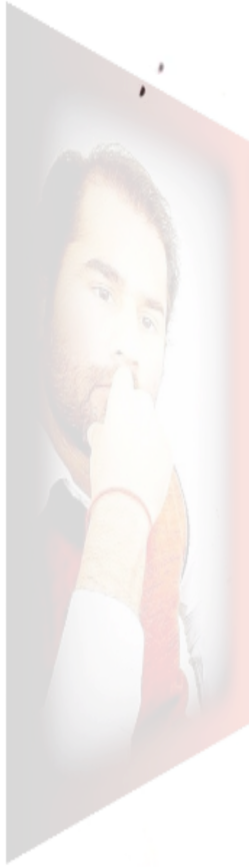
○
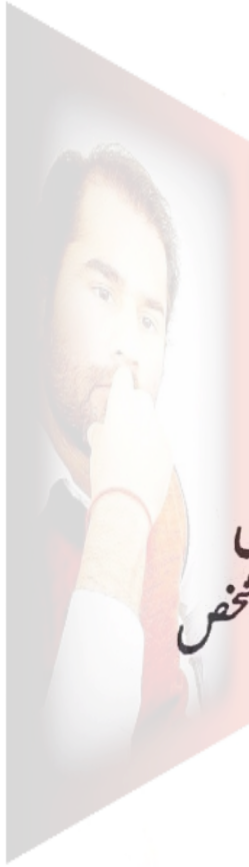
بہار آئے

میں آنکھ کھولوں
تو دیکھوں وہ دلربا، حسیں شکل
خواب بستی کے باسیوں ایسا شخص
اک جذب میں
مری سمت دیکھتا ہو

یہ کان میرے
کسی کے قدموں کی چاپ سن کر
وہ ساری تلخی کریں فراموش جو
جدائی کے چند برسوں نے بخش دی تھی
حواس ، ملبوس کی مہک پا کے جھوم جائیں

تو مسکرائیں، یہ لب
دوبارہ وہ لمس پا کر
یہ جسم بانہوں کی ڈالیوں میں
بہار دیدہ
گلاب کی طرح جگمگائے
حریمِ جاں میں
وہ ہولے ہولے
کچھ اِس طرح پاؤں رکھے
جیسے کہ آبگینے کو چھو رہا ہو
وہ عشق کا ماحصل
حسیں ساعتیں جو آئیں
تو روح کی تشنہ کامیوں کو قرار آئے
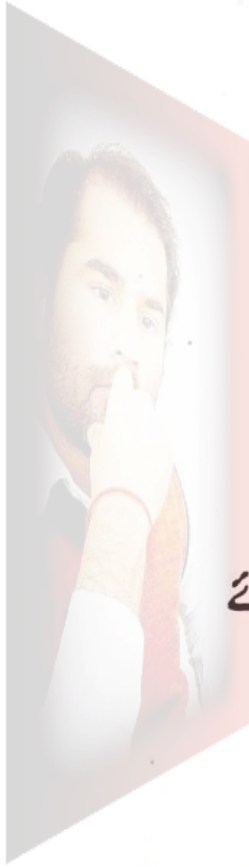
غم آشنا بھی وہی پیکرِ وفا بھی وہی
مری حیات کی کشتی کا ناخدا بھی وہی

مرے وجود کی گُل رنگ راحتوں کا شریک
تو میرے کرب کی لذت سے آشنا بھی وہی

وہ مجھ سے دور مگر میرے دل سے وابستہ
اگر کہوں اُسے منزل تو راستہ بھی وہی

جو سو رہوں تو مری نیند ہے اُسی کا کرم
جو رات جاگ کے کاٹوں تو رتجگا بھی وہی

میں اُس کے پیار کی شدّت میں جب بکھر جاتی
بڑے خلوص سے مجھ کو سمیٹتا بھی وہی

○

چاندنی گھر کے آئی گھٹا سی
شب مجھے چھو کے گزری صبا سی

دے گئی زندگی کے قرینے
وہ تری گفتگو کی 'ادا' سی

ہاتھ اپنے لہو میں سَنے تھے
لگ رہی تھی بظاہر حنا سی

جانے کیا ہے کہ بے وجہ پہروں
مجھ پہ چھائی رہی ہے اُداسی

نام اُس کا کسی نے لیا ہے
لب پہ کِھلنے لگی اک دعا سی

جی نہ چاہے مگر ہنس کے بولیں
شہر داری بھی ہے اک بلا سی

○

کسی کے دل سے مرے دل کی آشنائی رہے
حدودِ عالمِ امکاں تلک رسائی رہے

ہمارے ساتھ رہے صرف آپ کا پَرتو
جَلو میں آپ کے بے شک یہ سب خدائی رہے

ابھی ہواؤں کی بادل سے چھیڑ جاری ہے
ابھی تو چاند ستاروں کو نیند آئی رہے

کبھی وہ اپنی طرف بھی نگاہِ ناز کریں
فقط ہمیں پہ نہ الزامِ کج ادائی رہے

حقیقتوں کا پتا دے تو صرف تنہائی
کہ محفلوں میں تو بس زعمِ پارسائی رہے

فقط کسی کا تصوّر ہو منتہائے نظر
قریب ہوں پہ وہی کربِ نارسائی رہے

جو ہم خموش رہیں طعنہ زن ہو اپنا ضمیر
جو سچ کہیں تو تعاقب میں جگ ہنسائی رہے
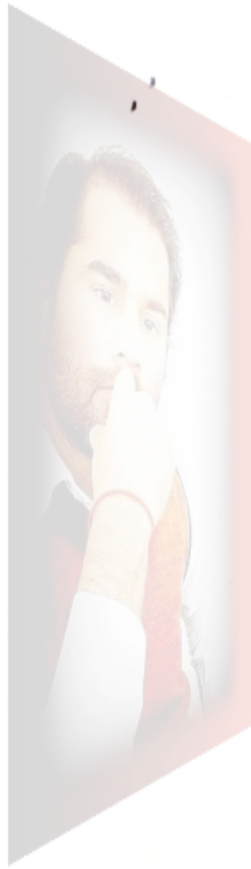
ایک شعر

کسی معصوم جگنو کی طرح میں
خود اپنی روشنی سے بے خبر تھی

ان فضاؤں میں رچی ہے چاندنی
چار سو پھیلی ہوئی ہے چاندنی

گاؤں کا گاؤں ہے میٹھی نیند میں
پتھروں پر گر رہی ہے چاندنی

دھوپ کے مانند ہر دیوار پر
بے نیازانہ جُھکی ہے چاندنی

چاند ویسا ہے، وہی مانوس چاند
اور شب کو نت نئی ہے چاندنی

سبزہ و گُل اب کہیں سے لائیے
اب میسّر آچکی ہے چاندنی

آج تو ہے بام پر آنے کی شب
آج ہر شے پر سجی ہے چاندنی

میری آنکھوں میں اُداسی کی جگہ
دھیرے دھیرے بس رہی ہے چاندنی

○
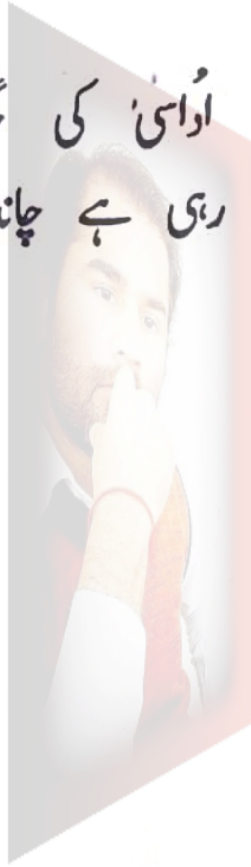
تھکتے رہ گئے گرچہ صبا کے ہات مجھے
پہاڑ جیسی لگی ہجر کی وہ رات مجھے

وہ اِس سکون سے سُنتا رہا فسانہ ءِ دل
کہ جھوٹ لگنے لگی اپنی واردات مجھے

بڑے خلوص سے وہ لب فریب دیتے رہے
بڑی ہی شان سے ہوتی رہی ہے مات مجھے

فنا ہے میرا مقدّر مگر محبت میں
میں سوچتی ہوں کہ بس مِل گیا ثبات مجھے

وہ آنکھیں اور وہ لب میرے واسطے تھے مگر
لِپٹ کے رہ گئے اپنے توّہمات مجھے

○

آوازِ دوست

کوئی آواز آتی ہے
بہت ہی فاصلے سے
غالباً" برسوں کی دوری سے
مجھے آواز آتی ہے
اُداسی ہے کہ چاروں سمت میرے
چھائی جاتی ہے
یہی آواز' میرے دل کی دھڑکن
جاں کی راحت تھی
یہی آواز سچائی تھی میری روح کی

آواز

اِس کا زیر و بم
لہجہ، کہ رَس کانوں میں ٹپکے
اور وہی گھمبیرتا
وہ جانا پہچانا رسیلاپن
وہی شفقت
مگر برسوں کی دوری ہے
مرے کانوں سے اِس آواز تک حائل
یہ کیسی بے بسی ہے
مجھ سے یہ آواز
یہ جانی ہوئی آواز
پہچانی نہیں جاتی

رات کے کتنے روپ

رات اندھیری
سائیں سائیں کرتی
دیپ بُجھاتی، خوف جگاتی
رات مُرادوں والی
چاند کے رنگ میں بھیگی، اُجلی
رات بنفشی پھولوں والی
رات کبھی آشا کی دیوی
کبھی نراس کا دیو
رات اک دلہن لال گلال
اور رات اک برہن کالی
رات کبھی جوبن دکھلائے
کبھی بھرے بہروپ
چھاؤں بنے کبھی دھوپ
رات اگر راس آئے کسی کو
رات کے کتنے روپ

○
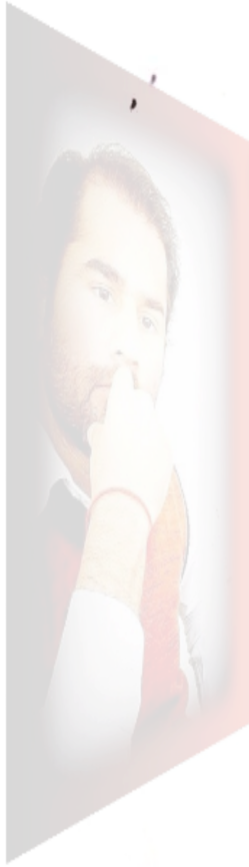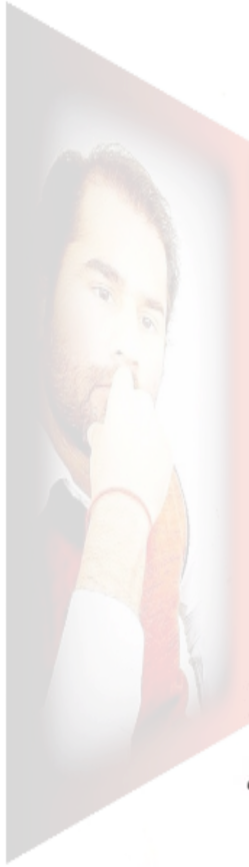
گلدان

ہوا کے جھونکے سے
ایک گلدان گر کے ٹوٹا
ہوا چھناکا
اُداس کمرے کی چُپ فضا میں
تو گھر کے سارے مکین چونکے
ولائتی کانچ کا وہ گلدان ٹوٹ کر
سب کو دیر تک رہنے والا اک رنج دے گیا تھا
ہمارے گھر میں بہت دنوں تک
اُس ایک گلداں کا ذکر سب کی زباں پہ ٹھہرا
وہ ایک گلدان تھا

کسی کا بھرم نہیں تھا

بھرم
خموشی سے ٹوٹ جاتے ہیں
کتنے رشتوں کے نرم جھونکے
ہمارے مٹھی سے چھوٹ جاتے ہیں
اک نظر کے
کسی نظر سے بندھے ہوئے تار
کس سہولت سے ٹوٹ جاتے ہیں
دل میں رہتے ہیں جو
وہ چھوٹی سی بات پر
ہم سے روٹھ جاتے ہیں
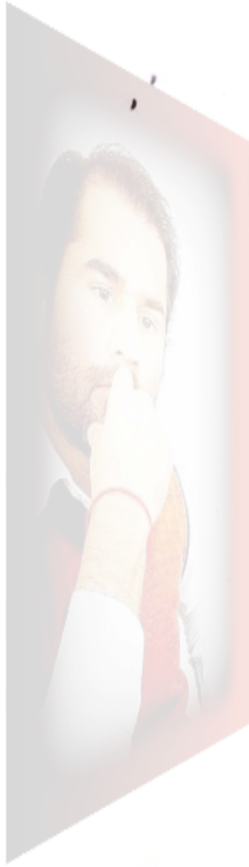
وحشی اور منہ زور ہیں جذبے، میں تنہا
تارے مجھ کو راتوں میں دیکھیں تنہا

ہم سے تو اک پل بھی کٹنا مشکل ہے
کون ہیں وہ جو اکثر رہتے ہیں تنہا

دن کٹ جاتا ہے دن کے ہنگاموں میں
راتوں کی خاموشی اور راتیں، تنہا

اُس کو دیکھے دن بیتے، دل بے کل ہے
کیسے لیکن اُس کے گھر جائیں تنہا

تن کے بن میں آس کا موسم آئے بھی
آنکھوں کی شوخی دل کی باتیں تنہا

اب کے ساون میں چڑیا کی صورت ہم
اپنے گھر کے آنگن میں بھیگیں تنہا

شب اور دن کی تھوڑی سی تفریق تو ہے
چندا ! ہم بھی تیری طرح گھومیں تنہا
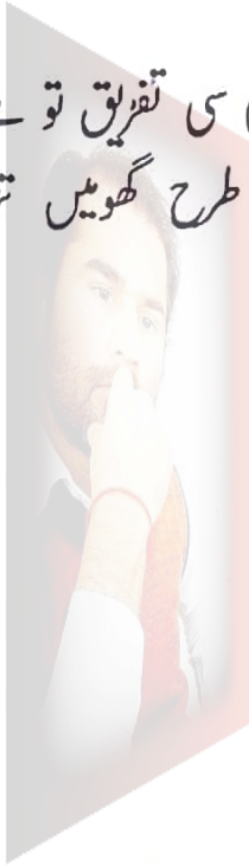
ایک شعر

زندگی کی ویرانی روح پر نہ چھا جائے
گر شگفتگی چاہو خواب دیکھتے رہنا

دل کا کب خون ہوا تھا پہلے
جُرم ٹھہرا لبِ گویا، پہلے

خواب آنکھوں پہ اُترتے تھے کبھی
مسکراتی تھی تمنّا پہلے

سر پہ چھائی تھیں گھٹا سی زلفیں
چاند چہرہ تھا چمکتا پہلے

رنگ در رنگ سرِ بامِ خیال
کیا بِکھرتا تھا اجالا پہلے

اُس کے جاتے ہی، اِسے رُکنا تھا
بے وفا وقت نہ ٹھہرا، پہلے

اسمِ اعظم تھا کبھی نام ترا
تیرا چہرہ تھا صحیفہ پہلے

اب تو چُپ ہیں مگر اِن آنکھوں میں
اک جہاں تھا کہ بسا تھا پہلے

ہر ایک آنکھ کو لاکھوں ہی خواب سونپ دیے
ہمارے عہد کو کس نے عذاب سونپ دیے

زمیں نے کوکھ جلی اس زمیں نے اب کے برس
اَجل کو کیسے شگفتہ شباب سونپ دیے

اُس آدمی نے ذرا سی جھلک دِکھا کے مجھے
مری نگاہ کو کتنے ہی خواب سونپ دیے

عبث ہے اُس سے کوئی شکوۂ جفا جس نے
سوال کرنے سے پہلے جواب سونپ دیے

○

ذرا سی ٹھیس لگی اور ریزہ ریزہ تھا
وہ اعتبار نہیں کانچ کا پیالا تھا

تمام زہر سہی مجھ کو ڈس کے کیا لیتا
کہ رنگ میرے لبوں کا تو کب سے نیلا تھا

میں شاخ شاخ نہ کھِلتی تو اور کیا کرتی
یہ جان کر بھی کہ وہ شخص ایک بھنورا تھا

شجر کو سبز قباؤں پہ پیار کیوں آتا
کہ کل تو اِس کو برہنہ تنی پہ رونا تھا

میں اُس کو بھول کے زندہ ہوں یہ ستم دیکھو
کہ جس سے روٹھ کے جینا گناہ لگتا تھا

وہ شخص تھا کہ کوئی خواب، میں سمجھ نہ سکی
کہ رنگ ڈھنگ تو دونوں کا ایک جیسا تھا
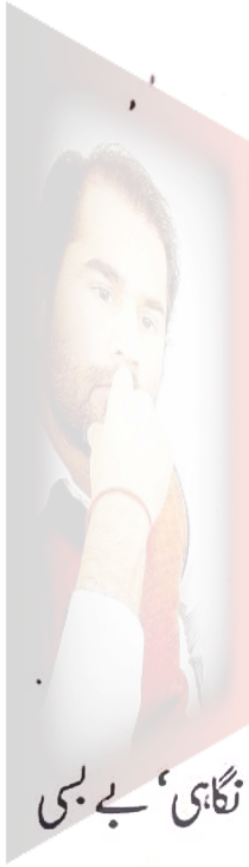
قید

اضطراب آمیز تاریکی
یہ ویرانی
یہ خاموشی، گھٹن، مردہ دلی، ویراں نگاہی، بے بسی
میں سوچتی ہوں، اس سے پہلے دل
کشادہ اور روشن کائناتوں کا پرندہ تھا
فضا میں رنگ تھے، خوشبو تھی، فرحت تھی
بدن آزاد تھا
اور روح بھی آزاد

میرے گرد
زہریلی، اندھیری رات جیسی
یہ فضا کب تھی
نگاہیں، زندگی کے حسن سے لبریز تھیں
اور سب حسیں چہرے تھے آنکھوں کے لئے
انعام فطرت کا
مگر اب ہر طرف وہ ایک ہی چہرہ
وہی یکساں مناظر
اور ہر اک چیز پر پردے
نگاہوں پر کڑے پہرے
کہ یہ دل، یہ بدن، یہ روح، سب محبوس ہیں
اُس کی محبت میں
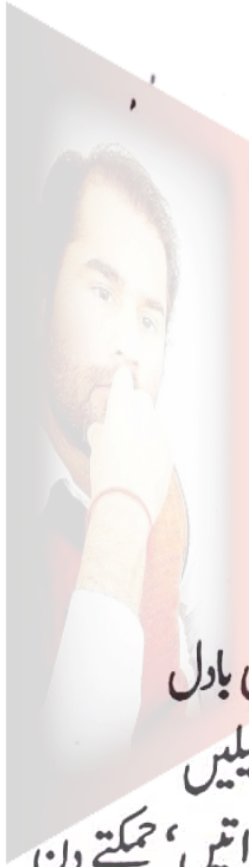
آنکھ خالی ہے

زمیں خاکستری، بھوری چٹانیں، سرمئی بادل
حسیں سبزہ، سنہری دھوپ، گہری سبز جھیلیں
سرخ پھولوں سے بھرے گلشن، سیہ راتیں، چمکتے دن
زمیں کے رنگ کتنے
قرمزی اور ارغوانی رنگ
سارے ثبت ہیں میرے بدن پر
تیرتے میرے لہو میں ہیں

مگر یہ آنکھ خالی ہے
فلک نیلا
مجھے قرنوں کی دوری سے تکے
دھرتی نے اپنے رنگ سارے دے دیے
میرے بدن کو
آنکھ خالی ہے مگر
یہ آنکھ میری رنگ چاہے
اب فلک نیلا
جُھکے
تھوڑا قریب آئے
مری آنکھوں میں اُترے
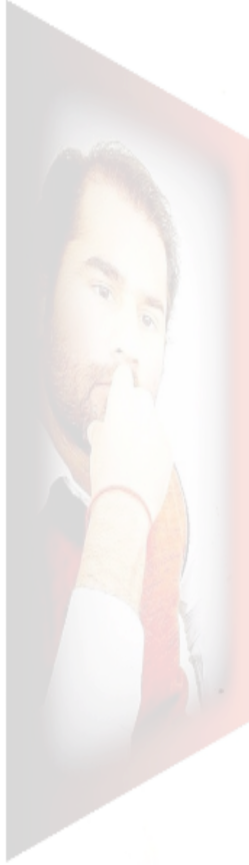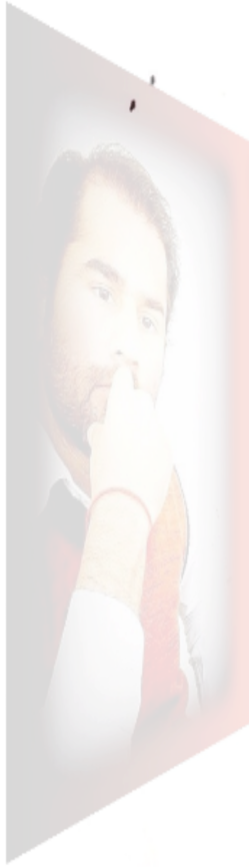
حریمِ جاں میں وائلن

بند جھروکے
بھاری پردے
جلتی بجھتی کچھ شمعیں
اور خاموشی کی
سائیں سائیں
ہر سو پھیلی
روشن روشن تاریکی
اور چُپ کی گہری چھاپ
پھر اس پر تنہائی

....

پھر

چکنے فرش پہ
سایا لرزے
خوشبو بکھرے
تارا چمکے
ایک ہیولا پاس آئے
پھر سرگوشی
اک مدہم پیاری سرگوشی
کچھ بوجھل سانسیں
آنکھیں بند ہوئی جائیں
اور سرشاری
نزدیک کہیں
پھر خالی خالی ہال میں باجے
اک وائلن

○

گھر کا دروازہ کھُلا تھا' دل کا در وا ہو گیا تم آؤ ناں
پیار پلکوں میں مری سپنے سُہانے بو گیا تم آؤ ناں

چاند دھیرے دھیرے اپنی راجدھانی پر چمک کر تھک گیا
ہر ستارہ کانپ کر اور ٹمٹما کر سو گیا تم آؤ ناں

آس ہے شاید کبھی تم کو مری یادیں ستائیں' آ ہی جاؤ
پھر اُسے آتے نہیں دیکھا ہے میں نے جو گیا تم آؤ ناں

میری مٹھی میں فقط اک سر سراہٹ رہ گئی' وہ اُڑ گیا
وہ تمہارے لمس کا اک لمحہ مجھ سے کھو گیا تم آؤ ناں

مجھ کو اپنے پیار کی منزل کہا تھا تم کو شاید یاد ہو
شہر کا ہر اک مسافر اپنی منزل کو گیا تم آؤ ناں

○

اُس کی چاہت میں یہ عالم اپنا
بھیگا بھیگا سا ہے موسم اپنا

تیری دشوار گزر گہ میں ہُوا
سلسلہ خواب کا برہم اپنا

اب برستا نہیں ابرِ رحمت
اب مہکتا نہیں موسم اپنا

آؤ دیوار سے لگ کر رولیں
کون بانٹے گا بھلا غم اپنا

اشک گرتے ہیں کہیں اندر ہی
اب تو آنچل بھی نہیں نم اپنا

اک صدا آئے تو بھرِ تسکیں
کیا اَلم کرتے رہیں ہم اپنا

وہ اُداسی ہے کہ کانپ اٹھے گا
وہ اگر دیکھ لے عالم اپنا
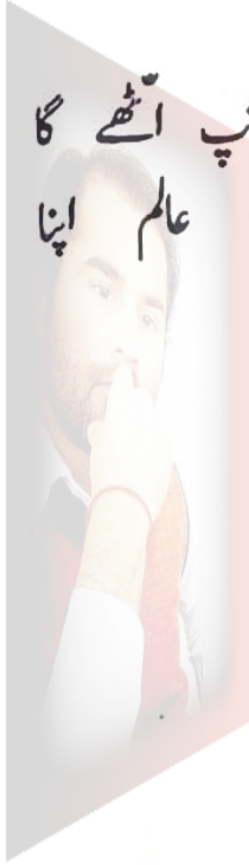
ایک غم چاہیے

کوئی
اک غم مجھے دے دے
کوئی آئے
سمائے دل میں
آنکھوں میں بسے
ہو جائے پیارا اِس قدر
اُس سے بچھڑنا
موت سمجھوں
زندگی سے روٹھ جاؤں
اُس کی خاطر
اس کی فرقت میں
مجھے ہو جائے پیارا اِس قدر
اور پھر بچھڑ جائے
مرے دل میں اُگا کر درد کی کونپل
مرے فن پر کوئی احساں کرے
اک غم مجھے دے دے
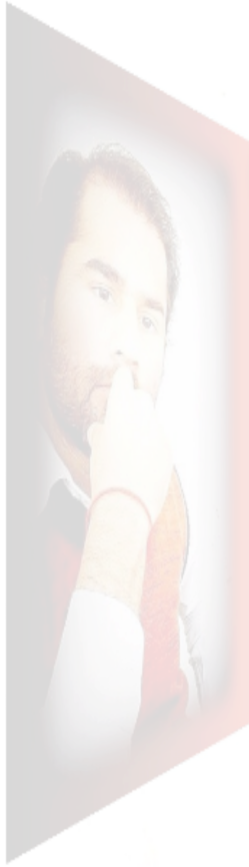
آنکھوں کا پھول

محبت جاگتی تھی
مسکراتی تھی
صبا سے بات کرتی
اوس پیتی تھی
مری آنکھوں میں جیتا تھا
گُلِ تازہ
گُلِ خندہ
وہ گُل مُرجھا گیا
شاید
محبت تھک گئی ہے
سو گئی ہے

○

شادی مرگ

مری سنسان خموشی کی خبر پا کے نجانے کتنے
بے ریا لوگ مرے پاس آئے
مرے ہمدرد، بہی خواہ، بہت پیارے لوگ
چاہتے ہیں کہ میں کچھ تو بولوں
کوئی تو بات کروں
چاہے بے ساختہ ہنس دوں، رو دوں
(اور جو لوگ مری آنکھ میں آنسو بھی نہ سہہ سکتے تھے
اب وہی مجھ کو رُلانے پہ بھی آمادہ ہیں)
ان کی خواہش ہے کہ یہ خامشی اک بار بکھر کر رہ جائے

اور میں بے حس و حرکت ہوں
بھلا کیسے ہنسوں یا رو دوں
کیسے جیوں، کیا بولوں
مرے اندر تو یہ سنّاٹا ہے
اور اندر کا یہ سنّاٹا تو بجتا ہی رہے گا
اک عمر
پھر مرے جسم پہ چھائی ہوئی خاموشی اگر
ختم ہو جائے تو کیا
اور بھی بڑھ جائے تو کیا

○

شہر بھر سخت نا سپاس رہا
وہ یہاں جب رہا اُداس رہا

یہ بتا میرے بعد اب کس کو
تیری ہر آرزو کا پاس رہا

سب سے نا آشنا یہ کیا کم ہے
اپنی ہستی سے روشناس رہا

ایک خوشبو جو ہر طرف بکھری
ایک سایا جو آس پاس رہا

میں ترے واسطے ہوں رنجیدہ
کوئی میرے لئے اُداس رہا

○

کِرن کِرن فضاؤں کو ادائیں دے
وہ آفتاب ہے تو پھر شعائیں دے

خیال ہے کہ واہمہ مگر کوئی
میں جب اُداس ہوں مجھے دعائیں دے

مرے وجود کا ثبوت نُطق ہے
تو حرف حرف پر مجھے سزائیں دے

میں جب بھی دشتِ عمر میں جلوں، مجھے
کوئی خیالِ یار کی رِدائیں دے

وجود میں اُٹھے کوئی اُمنگ سی
وہ چونک جائے اور مجھے صدائیں دے

نہ دوست ہے نہ آشنا مگر مجھے
وہ شخص ایک عمر سے وفائیں دے

ق

مسافرانِ زندگی کو اے خدا
تُو راستے میں ایک دو سرائیں دے

یہ ایک رنگ بار ہے نگاہ پر
ہرے شجر کو زرد بھی قبائیں دے

میں شاخ شاخ گھوم کر جیوں سدا
تو مجھ کو تتلیوں کی سب ادائیں دے

○

زخم چھپائے روپ سجائے ہم نے بھی
اِن آنکھوں کو خواب دکھائے ہم نے بھی

وہ خوشبو وہ رنگ چُرانا مشکل تھا
اپنی سوچ کے ہاتھ کٹائے ہم نے بھی

کتنے ہی پیاروں کو کھو کر زندہ ہیں
کیسے اچھے وقت گنوائے ہم نے بھی

اگلوں کی باتوں کو جھوٹا جانا تھا
کیکر پر انگور چڑھائے ہم نے بھی

پانی کے چڑھنے کا منظر دیکھا تھا
اپنے گھر ٹیلوں پہ بنائے ہم نے بھی

کومل کومل کلیاں توڑیں شاخوں سے
کمروں میں گلدان سجائے ہم نے بھی

جانے کیا کیا رنگ دِکھائے لوگوں نے
کیسے کیسے دھوکے کھائے ہم نے بھی
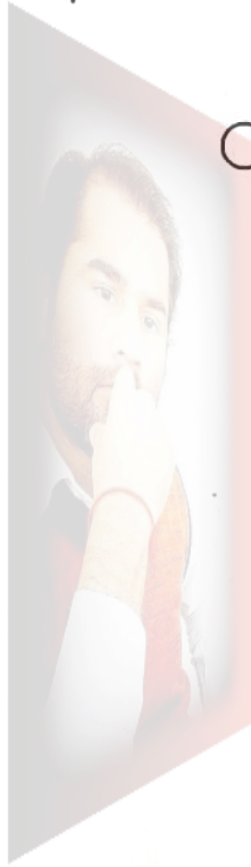
ایک شعر

مدّتوں بعد اُس کی یاد کا چاند
سوچ کے آسمان پر چمکا

کھُلی ہوئی کھڑکیوں سے اک شام جھانکتی ہے

عجیب عالم ہے
زندگی
میری بھیگتی پُتلیوں میں جیسے دھڑک رہی ہے
تمہاری یادوں کے سائے سائے
دُھندلکا' پیڑوں کی چوٹیوں پر اُتر رہا ہے
شفق، خموشی سے پھیل کر
دور تک بکھرتے
حسین منظر کے کینوس پر
ہزار رنگوں پہ
اک گلابی چھڑک رہی ہے
میں تم سے کتنی ہی دور ہوں پر تمہاری قربت کی
تیز حدّت سے جل رہی ہوں
میں سارے منظر سے بھی الگ ہوں
مگر شفق سے
وجود گلُنار ہو رہا ہے
کھلی ہوئی کھڑکیوں سے اک شام جھانکتی ہے

دور کسی نگری کا اک شہزادہ ہو
جس کے ہاتھ میں میرے پیار کی ریکھا ہو

اُس کی گہری آنکھوں میں جب جھانکوں میں
پلکوں کے پیچھے میرا ہی سپنا ہو

میں آشا بن جاؤں اُس کے جیون کی
وہ سایا ہو لیکن میرا سایا ہو

رات کے پچھلے پہر میں بہتی پُروا ہو
اور امبر پر سُندر کومل چندا ہو

آنگن آنگن خوشبو کا سندیس ملے
پھول اگر ویرانے میں بھی کھِلتا ہو

اِس جنگل کے گہرے گھنے درختوں میں
شاید گاؤں کو جانے والا رستا ہو

وہ جو میرے آنسو پونچھ کے ہنستا ہے
تنہائی میں شاید وہ بھی روتا ہو

بھیگا بھیگا موسم ہے کچھ بات کریں
جانے ہم دونوں کا پھر کب ملنا ہو

○
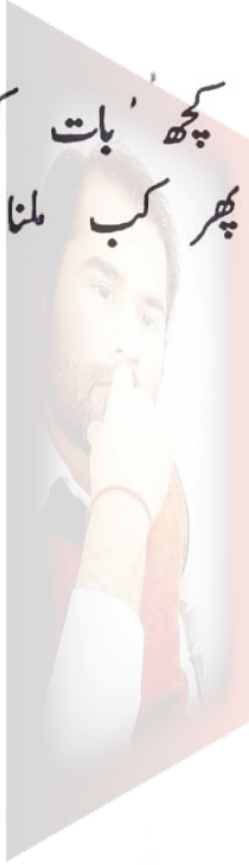
کوئی بھی رُت ہو محبت میں تو سہانی لگے
یہ زندگی مجھے اک ان کہی کہانی لگے

میں کیسے پاؤں بھلا تیرے غم سے چھٹکارہ
سمندروں کی طرح اِس کی بیکرانی لگے

وہ تیرے وصل کی گھڑیوں کو کیا کہے کہ جسے
ترے فراق کی ساعت بھی آسمانی لگے

ہیں ظاہراً تو یہ خاموش پر اِن آنکھوں میں
چھپی ہوئی کئی دریاؤں کی روانی لگے

میں پڑھ رہی تھی کتاب اور وہ تک رہا تھا مجھے
بہت عجیب ہر اک لفظ کے معانی لگے

وجود میں کہیں اندر بھی جھانک کر دیکھیں
کہ اب تو جسم کی ہر کیفیت پُرانی لگے

○

اب مرے دھیان میں اُس شخص کا چہرا بھی نہیں
دل سے اک پل کو جُدا ہو مگر ایسا بھی نہیں

لرزشِ لب سے نگاہوں کی چمک تک دیکھوں
گو بظاہر وہ مرے قربُ کا جویا بھی نہیں

گھر بنائیں گے کبھی ہم بھی کنارِ دریا
آج گو ہم کو میّسر کوئی قطرہ بھی نہیں

ابر چھایا ہی نہیں ٹوٹ کے برسا لوگو
اور یہ دشتِ بدن ہے کہ یہ بھیگا بھی نہیں

آپ کا شہر ہے یا شہرِ تمنّا ہے، یہاں
آگئے اور پلٹ جانے کو رستہ بھی نہیں

دل میں برسوں سے سمیٹے ہوں میں گہرا ساگر
اور بس میں مرے حالات کا دریا بھی نہیں

○

ابو جی

میں جو بھی تھی
اُن کے دم سے تھی
اُن کی شخصیت کے جلال سے تھی
جمال سے تھی
وہ جا چکے ہیں
اور اب میں کیا ہوں ؟
میں کچھ نہیں ہوں !
کہ ہونے کی چاہ کھو چکی ہے
اور اب کہ ہر راہ کھو چکی ہے
کہاں کا جادہ
کہاں کی منزل
وہ ہاتھ مٹی کا رزق ہے اب
میں جس کی انگلی پکڑ کے
جیون کے راستے پر رواں دواں تھی

سوال

صدائیں اُس آستاں سے مایوس لوٹ آئیں
وفائیں اس آستاں سے مایوس لوٹ آئیں
دعائیں اس آستاں سے مایوس لوٹ آئیں
جواب میں تیری سمت سے اک
صدا نہ آئی
وفا نہ آئی
ندا نہ آئی
مرے ہی ہاتھوں میں کچھ کجی تھی
مری دعائیں ہی نا روا تھیں
کہ یاد تجھ کو ہی رحم کھانے کی وہ ادا
اے خدا نہ آئی؟

منزل سے کوسوں دور کٹھن راستوں میں ہوں
ہر لحظہ پھیلتے ہوئے اِن دائروں میں ہوں

وہ دور ساحلوں پہ مجھے ڈھونڈتا رہے
میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے پانیوں میں ہوں

حدِ نظر تلک ہے کڑی دوپہر کا دشت
جو راستہ بھٹک گئے اُن قافلوں میں ہوں

تو لمس چاہتا ہے تو پھولوں میں کر تلاش
میں تیرا اک خیال ہوں اور خوشبوؤں میں ہوں

اب مجھ کو اُس کے غم سے کوئی واسطہ نہیں
محصور اپنی ذات کے اکثر غموں میں ہوں

وہ چاہتا ہے میں اُسے ہر روز خط لکھوں
اُس کو خبر نہیں کہ میں کن الجھنوں میں ہوں

شب رنگ ہے امید مری اور جسم سرد
آنکھیں ہی بجھ گئیں کہ میں تاریکیوں میں ہوں

میں چکھ چکی ہوں بچھڑی محبت کا کرب بھی
لگتا ہے جیسے اب بھی اُنہیں بازوؤں میں ہوں

اپنی تلاش آنکھ کی پتلی پہ ثبت ہے
اپنے ہی ایستادہ کیے آئینوں میں ہوں
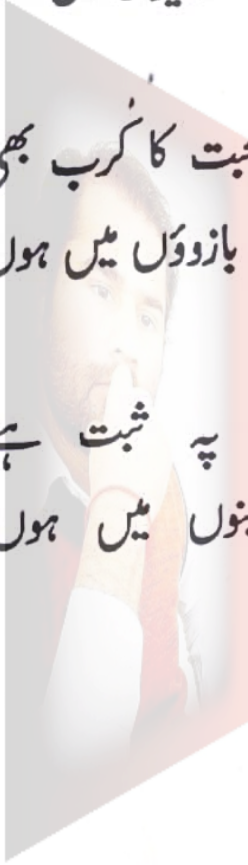
جانے والوں کو بُلانے والے
کتنے پاگل ہیں زمانے والے

خندۂ گُل سے لرز جاتے ہیں
کل کے، طوفان اُٹھانے والے

بے ٹھکانہ بھی نہیں تھے اتنے
خواب جب تک تھے ٹھکانے والے

میرے ماتھے پہ دعا کیا لکھیں
میرے آنچل کو جلانے والے

ہاتھ کی سبز لکیروں کو یہ لوگ
بد دعا دے کے مِٹانے والے

شاخِ لرزاں سے بھی خوف آتا ہے
سانپ دیکھے تھے خزانے والے

چل دیے چھوڑ کے تنہا ہم کو
عمر بھر خواب دِکھانے والے
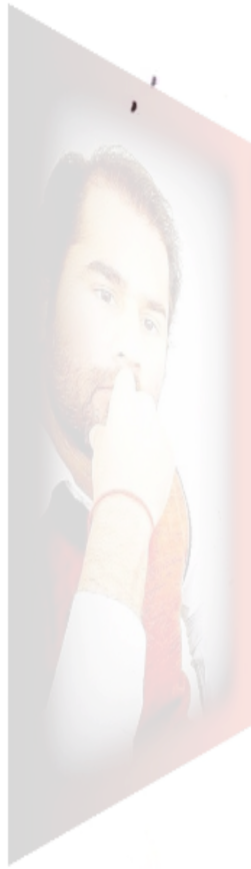
ایک شعر

وہ آنکھیں جو ہمارے غم میں اکثر جھلملاتی تھیں
وہ آنکھیں بھی ہوئیں اب تو، تماشا دیکھنے والی

نیند آئے تو اُتر آتا ہے سپنا کیسا
آنکھ کُھلتے ہی بِکھرتا ہے اندھیرا کیسا

وہ پُکارے تو فضا خواب سی ہو جاتی ہے
اُس کی آواز سے رشتہ ہے ہمارا کیسا

گھر لُٹا ہے یہ بھرا شہر نہیں اُجڑا ہے
پھر لپٹ کر در و دیوار سے رونا کیسا

یہ محبت بھی فسوں اور جوانی بھی فسوں
دیکھ سجتا ہے مرا شہرِ تمنّا کیسا

چار جانب تری خوشبو ہے جدھر بھی جاؤں
ہے ہوا کا ترے ملبوس سے ناتا کیسا

وہ جو آنکھوں سے ہوا دور ہمیشہ کے لئے
ہائے وہ شخص تھا ہر چیز سے پیارا کیسا

شہر کا شہر ہے شب زاد جدھر بھی دیکھو
اب خیالوں میں اُترتا ہے اُجالا کیسا
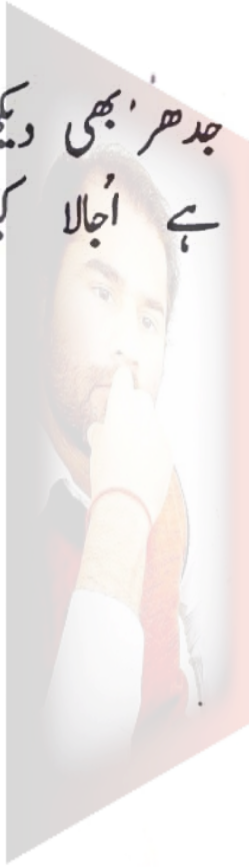
انتباہ

دائروں کے سفر پہ نکلے ہو
تم اک اندھے سفر پہ نکلے ہو
دور حدِّ نظر تلک ہے خلا
ماورائے خلا بھی جو کچھ ہے
وہ بھی اک دائرے میں جیتا ہے
پھر ابَد کو تلاش کرتے ہو
اپنی حد کو تلاش کرتے ہو
ہاں مگر کائنات کا یہ سفر
اک مدّور سفر ہے ایسا نہ ہو
تم ابَد کی تلاش میں اک دن
جا کے اپنے ازَل کو چھو بیٹھو
اور ازَل واپسی کا اِذن نہ دے

○

ستارے ساتھ چلتے ہیں
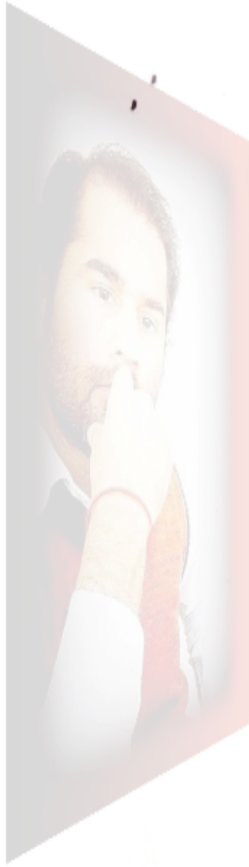
بہت مدت سے تجھ سے دور ہوں

پر جان لے، میں نے

بچھڑ کر

زندگی سے آشنائی کی

بظاہر میں اکیلی ہوں

اور اک تنہائی کی چادر میں لپٹی

شام کے زینے پہ چڑھتی ہوں

ہوائیں تیز ہوتی ہیں

میں تیری یاد کی انگلی پکڑ کر

جب بھی کالی رات کے سینے پہ چلتی ہوں

ستارے ساتھ چلتے ہیں

بظاہر میں اکیلی ہوں
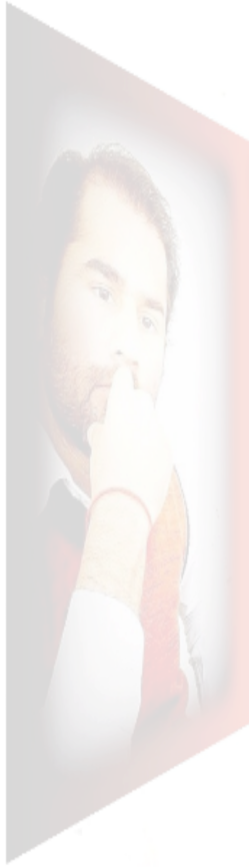
مسئلہ

پھول کی پتی پر ٹپکے
کیسے شبنم کی بوند
فضائیں چُپ چُپ ہیں
اور بیچ میں دوریاں
صف بستہ
کیسے ہنسے غنچہء نورستہ
جب میری صدا پر تو گُم سُم
میں تیری صدا پر
لب بستہ

○

مُٹھی بھر زمین

ایک ٹکڑا آسماں کا لے کے خوش ہیں
زندگی
جس کے تلے ہم کو بِتائے گی
مگر سوچو
کہاں پاؤں جمائیں گے
زمیں پوری خلا زادوں کے قبضے میں
ہمیں پاؤں جمانے کو
کوئی ٹکڑا زمیں کا مِل سکے گا
یا زمیں زادے
خلا مقسوم پائیں گے
ہمیں بھی مِل ہی جائے
ایک مٹھی بھر زمیں
ہم ایک ٹکڑا آسماں کا لے کے
خوش کیوں ہیں؟

○
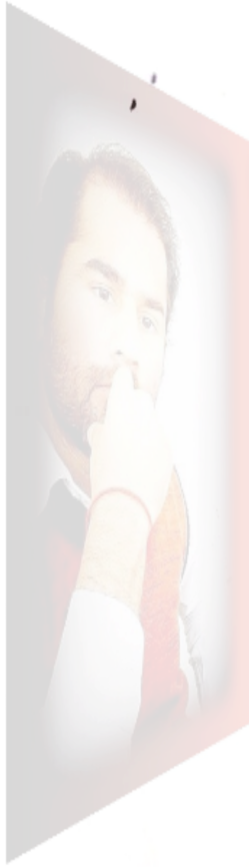
وہ شب ہوئی وہ سُلگنے لگے ہیں آنسو پھر
جھلک دِکھانے لگے تیرے یاد جگنو پھر

مرا ہی کرب مہک بن کے چار سو بکھرا
میں جب اُداس ہوئی مسکرائی خوشبو پھر

بڑے دِنوں سے نہیں دیکھ پائی ہوں اُس کو
نہیں رہا ہے مرے دل پہ میرا قابو پھر

وہ تیرگی، وہ درختوں کے جُھنڈ، میں تنہا
فضا میں جاگ اٹھے ننھے ننھے جگنو پھر

وہ اک غرور سے دامن چھُڑانا بھول گیا
پکارتا ہے مجھے آج اُس کا پہلو پھر

یہ چاندنی میں چمکتی مہکتی رات ہے یا
بکھر رہے ہیں کسی خواب رُو کے گیسو پھر

بچھڑ گیا تو کبھی یاد تک نہ آیا مجھے
وہ آ گیا تو چلا مجھ پہ اُس کا جادو پھر
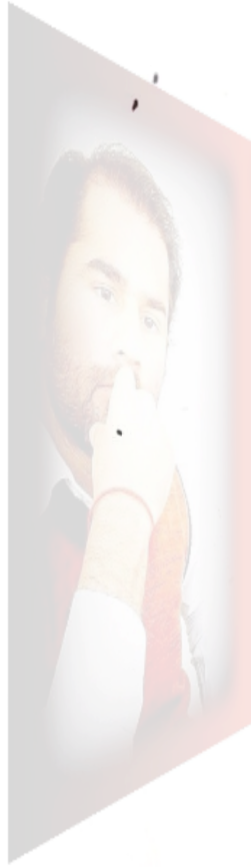
ایک شعر

پھر اک دن وحشت میں ساری دنیا سے کہہ دی
سرگوشی میں اپنے آپ سے کہنے والی بات

اپنا ماحول ہم کو راس نہیں
پھر وہ دردِ آشنا بھی پاس نہیں

اُس کا ہر غم اُتر گیا مجھ میں
وہ مگر مجھ سے روشناس نہیں

اب صبا لائے سبز رُت کی نوید
اب زمیں کے بدن پہ گھاس نہیں

اپنی یادیں سمیٹ کر لے جاؤ
میں کسی کے لئے اُداس نہیں

آئینہ زاد ہیں مگر ایسے
اپنی سچائی ہم کو راس نہیں

روح میں کوئی غم ہے پوشیدہ
زندگی بے سبب اُداس نہیں

اک رات اُجالو میرے لئے

اک رات اُجالو
میرے لیے
میں سو جاؤں
تم جاگو
اک شبنم ہات
رکھو سینے پر
لمس جگے تو لب مہکاؤ
سانس میں پھول کھلاؤ
ہَوا چلے تو
پلکوں پر تارے برساؤ
نیند کے پَر پھیلے جائیں
پھر خواب سمندر
جھاگو
اک رات اُجالو میرے لیے
میں سو جاؤں
تم جاگو

○
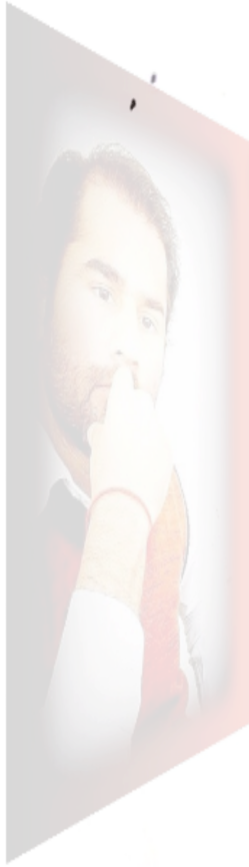
کچھ ایسی اب کے رُتیں تھیں قرار ہی نہ رہا
اُجڑ کے رہ گئی میں تو سنگھار ہی نہ رہا

کمال ضبط سے فرقت کے دن گزارے گئے
تم آ گئے تو شکیب و قرار ہی نہ رہا

جو اُس کے نام پہ ملتے گئے میں لیتی گئی
اور اب یہ حال دُکھوں کا شمار ہی نہ رہا

بدل گئی مری صورت کہ اُس کی آنکھوں میں
غمِ جہاں کے سبب وہ خمار ہی نہ رہا

میں کیسے پھول اُگاؤں گی اپنے آنگن میں
کہ اب تو اذنِ فروغِ بہار ہی نہ رہا

یہ بے وفائی نہیں وقت کا ستم ہے کہ تُو
بچھڑ گیا تو ترا انتظار ہی نہ رہا

○

دل کہاں اذنِ عام چاہے ہے
ایک شکل ایک نام چاہے ہے

ہے جُدائی کو قربتوں کی طلب
زخم اب اِلتیام چاہے ہے

یہ مرا عہدِ انتشار نصیب
عاطِفت کو اِمام چاہے ہے

شوخیاں بھول کر صبا اب تو
صرف ہلکا خرام چاہے ہے

رنگ بکھرے ہوئے ہیں منظر پر
اور یہ منظر دوام چاہے ہے

جس کا ہر پل گزاروں تیرے ساتھ
میرا دل ایسی شام چاہے ہے

اِس سفر میں ستارۂ امید
اب نظر گام گام چاہے ہے
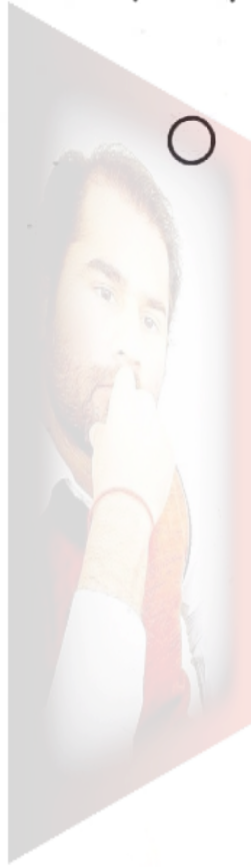
ایک شعر

ماتھے کی محراب پہ اب تک روشن ہے
اُس کے ہونٹوں نے جو دیا جلایا تھا

آئے اور بیت گئے وصل کے موسم کیا کیا
آنکھ پر کھُل گئے پھر ہجر کے عالم کیا کیا

یہ بھی دن ہیں کہ اِن آنکھوں میں بسے ہیں صحرا
انہیں پلکوں پہ گرا کرتی تھی شبنم کیا کیا

خفگیاں اُس کی سنبھالی نہیں جاتیں ہم سے
مہرباں اپنا ہوا آج ہے برہم کیا کیا

جب سے بچھڑے ہیں، بدن لمس کو ترسے ہیں مگر
روح کا روح سے ہونے لگا سنگم کیا کیا

تُو مجھے بھول چکا ہے تو بھلا کیا جانے
گھُل رہا ہے مری آنکھوں میں ترا غم کیا کیا

تیری مٹی سے بہت دور ہیں پھر بھی اے وطن
پھڑ پھڑاتا ہے لہو میں ترا پرچم کیا کیا

اک چکا چوند میں سہمی ہوئی چُپ آنکھوں پر
کھُل گیا، روشنیاں پڑتے ہی مدہم، کیا کیا

بے کلی دن میں سنبھلنے نہیں دیتی ہے مگر
بھیگتی شام میں ہوتے ہیں مگن ہم کیا کیا

مسکراتے ہوئے رخصت تو کیا تھا اُس کو
بادباں کھُلتے ہی یہ آنکھ ہوئی نم کیا کیا

مجھے فراقِ ماہ ہے

مرا وجود پھنک رہا ہے ایک زرد آگ میں
مجھے جلا رہا ہے سر سے پاؤں تک بخارِ دل
روایتوں کی میرے گرد خشمگیں سپاہ ہے
مجھے فراقِ ماہ ہے

وہ لب بہت ہی دور ہیں، مرے نصیب میں کہاں
وہ آستیں کہ جس میں آفتاب ہو چمک رہا
مرے خیال سے ورا وہ شبنمیں نگاہ ہے
مجھے فراقِ ماہ ہے

یہ دشتِ ہول کا سفر، یہ حبسِ باد، تشنگی
کہ زندگی کی چھاتیاں تڑخ رہی ہیں درد سے
وہ کون دیس ہے جہاں پہ میرا کج کلاہ ہے
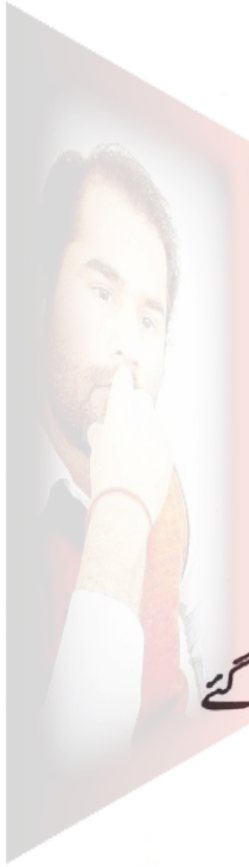
ایک اُداس کہانی

ہم اُس سے جب بچھڑ گئے
تو زندگی سے خاص پن نکل گیا
ہمارے روز و شب
عجب عمومیت کی نذر ہو کے رہ گئے
نہ کیف تھا
نہ سوز تھا
نہ ساز تھا
نہ زندگی میں کوئی خوبصورتی
نہ کوئی ہم سے روٹھتا
نہ اپنے دل میں روٹھنے کی، ماننے کی آرزو

کئی برس گزر گئے

کئی برس گزر گئے
پھر ایک شام
آسمان سے اُداس سی جھڑی لگی
ہمارے منہ میں اک کسیلا ذائقہ بکھر گیا
لٹی ہوئی محبتوں کا ذائقہ

○
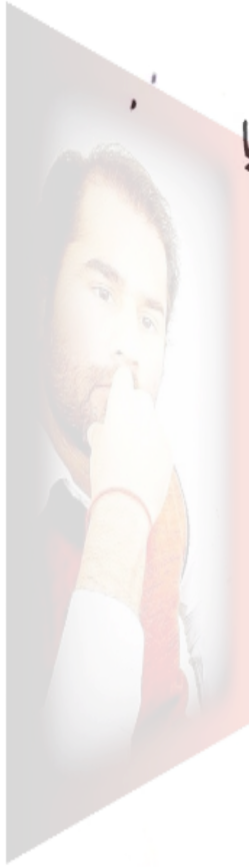
مُراجعت

یہی سُنا تھا
وطن کی جانب مُراجعت جرم ہے
سو ہم نے ہزار موسم، وطن سے بچھڑے
عزیز بانہوں، حسین آنکھوں کی آرزو میں
سسک سسک کر گزار ڈالے
یہی سنا تھا، وطن سے جو ایک بار جائے
پلٹ کے واپس نہ آسکے گا
سو ہم نے سانسوں کی بھینٹ دے دی
اور اپنی آنکھیں
وطن کے رستے کی ٹھنڈی مٹی میں پھر اُگا دیں
یہی سبب ہے
کہ جب بھی کوئی پلٹ کے جاتا ہے
راستے میں گھنے درختوں کی چھاؤں پاتا ہے
اور اب تو وطن کی جانب مراجعت
جرم بھی نہیں ہے.

تم نے کب جانا

یہ سچ ہے
میں نے آنکھوں کا کوئی پیغام
کب سمجھا
تمھاری لرزشِ لب کو سمجھنا کیا
تمھارے بولتے لفظوں کو سننے سے بھی انکاری رہی
دل کی کسی دھڑکن کو
پوروں سے کبھی چھو کر نہ دیکھا
مسکراہٹ
قوس کی صورت کبھی مجھ پر جو گِرتی تھی
تو میں آنکھیں چُراتی تھی
تمھاری تشنۂ تکمیل بانہوں سے
سدا پہلو تہی برتی

تمہاری پیاس پیتی، سوکھتی آغوش کو سر سبز کرنا
میں نے کب چاہا
مرے شاکی! یہ سچ ہے
پر کبھی تم نے بھی دیکھا
سامنا ہونے کی پیاری ساعتوں میں
میرے چہرے کا گلابی رنگ
میری انگلیوں کی نرم لرزش
میری شریانوں میں بہتے خون کی معصوم شوخی سے
بدن کی کپکپی
اور پھر جدائی میں
مری ویران پلکوں پر لکھا گریہ
کبھی تم نے پڑھا
چھوڑو
یہ بتلاؤ
مری خاموشیوں کا استعارہ تم نے جانا؟
(تم نے کب جانا)

○

اُس کی تشنہ نظر سے ڈرتی ہوں
میں ترے آئینے سے شاکی ہوں

ایک وحشت ہر آن پر طاری
ایک دیوانگی میں رہتی ہوں

بے صدا وقت کا شعور رہا
کان پھر بھی لگائے بیٹھی ہوں

جانے کیا سوچ کر وہ زندہ ہے
جانے کس آس پر میں جیتی ہوں

وہ مری بھوک اوڑھ کر خوش ہے
میں بھی صدیوں سے اُس کی پیاسی ہوں

اپنا باطن ہویدا ہے مجھ پر
یونہی خلوت میں تجھ سے ڈرتی ہوں

○

میرے من کا بچہ کتنا بھولا بھالا
تاج کو چھوڑ کے انگاروں کو چھونے والا

اُس کی صورت سوچتے سوچتے پتھرائی ہیں
یہ دیوانی آنکھیں جن کا رنگ ہے کالا

اُس کے حُسن کی ضَو کتنی آسیبی نکلی
کتنا چمکیلا ہے اُس کے رُخ کا ہالا

دل تو جانے کب سے زہری ناگ بنا ہے
میں نے اُس کے عشق کا منکا گلے میں ڈالا

ویرانی سی ویرانی طاری ہے فضا پر
ہر چمکیلا رنگ ہوا ہے اودا کالا

کون ہے سب راجوں میں میرے من کا راجا
کس کی گردن میں پہناؤں گی ور مالا

○

ہویدا

ہزاروں بارشیں گزریں کئی طوفاں گرے اس پر نہ ٹوٹا یہ' ہزاروں بارشیں لفظوں کی مجھ پر بھی گریں' گزرے کئی طوفاں نہ ٹوٹی میں' کسی نے جب کوئی پتھر تراشا' سر جُھکایا اُس کے آگے اور میں نے سر جھکایا اپنے آگے جب' کھلا مجھ پر میں پتھر ہوں

بھڑک کر خود' کسی کو سر سے
پاؤں تک جلا دینا' جو بُجھ جانا تو اس کو بھی بجھا دینا' میں جب بھڑکی اُسے بھڑکا دیا' خود جل بجھی وہ بجھ گیا' پھر راکھ بن کر اُڑ گیا لیکن مری حدّت مری گرمی بنی اُس کے بدن کی آنچ جبؔ اس دم
کھلا مجھ پر میں شعلہ ہوں

صبا گزرے تو ویراں راستوں پر نقشِ پا چھوڑے صبا کلیوں کو جو بن دے صبا پھولوں کے لب چومے' میں اُس کے دل کے رستوں پر جو گزروں نقشِ پا چھوڑوں 'بدن کو تازگی دوں اور لبوں کو پھول کر آؤں' لباسِ سادہ کو چھولوں تو وہ بھی سرسرائے ریشمیں ہو کر
کھلا مجھ پر صبا میں ہوں

گلوں کے زرد بیجوں سے اُگے خوشبو کہ پردوں میں کسی پردے سے
پھوٹے، کھل نہ پائے، کھُل نہ پائے جب یہی مجھ پر کہ کس پردے میں
کس نقطے میں خوشبو ہے مری فطرت کے، ایسے میں
کھلا مجھ پر کہ گل میں ہوں

وہ آوارہ کہیں جائے نہ جائے اک جگہ پھوٹے تو پھیلے ہر جگہ، ہر اک
مشامِ جاں معطر کر کے ہر آغوش میں مچلے مگر پھر بھی رہے سادہ، وہی
آوارہ دلداری وہی معصومیت مجھ میں، کھلا مجھ پر میں خوشبو ہوں
کھلا مجھ پر
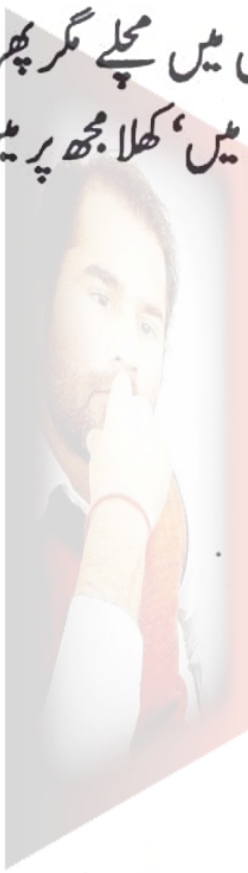
میں پتھر ہوں
میں شعلہ ہوں
صبا میں ہوں
میں گل ہوں
اور میں خوشبو ہوں
خدا میں ہوں
میں بندہ بھی
خود اپنے آپ سے اوجھل بھی ہوں
خود پر ہویدا بھی

○

طبیعتیں سر سے پاؤں تک اضطراب ہوں گی
تمام آنکھوں میں ہجرتیں مثلِ خواب ہوں گی

نہ آپ اب موجبِ سزا ہیں نہ میں خطا وار
ہیں اور کچھ صورتیں جو اب بے نقاب ہوں گی

ابھی تو خوابوں کا ذائقہ تلخ ہو گیا ہے
وہ دن بھی ہوں گے کہ تلخیاں جن میں خواب ہوں گی

یہ کیا خبر تھی کہ سب جڑیں چھوڑ دیں گی مٹی
تمام بیلیں نمائشِ سطحِ آب ہوں گی

یہ خواب دیکھا ہے آسماں سے نوید آئی
کہ اب ہماری دعائیں بھی مستجاب ہوں گی

وہ لوٹ آئیں گے شہر بھر جن سے منحرف ہے
وہ صورتیں آنکھ پر ضرور آفتاب ہوں گی

○

جو شہر چھوڑ کے جاؤ یہ آسرا کرنا
سفر میں ایک ستارے کو آشنا کرنا

وہ جائے پاک' جہاں ہم ملے تھے پہلی بار
کبھی وہاں سے جو گزرو تو نفل ادا کرنا

جدائی دھوپ سی ہے اور تجھ سے کیا پوچھوں
کہ جب نصیب نہیں سایہ ء ردا کرنا

محبتوں کی بقا کے لئے دو قربانی
کسی پہاڑ کی چوٹی سے یہ صدا کرنا

کبھی میں چوم سکوں اُس کی چاند پیشانی
وہ وقت میرے مقدّر میں اے خدا کرنا

کچھ اب کے جلد ہی چلنے لگی تھی زرد ہَوا
شجر کو سخت کھَلا برگ و گل جُدا کرنا

میں صرف روح نہیں ہوں بدن بھی ہوں ساتھی
مجھے خیال نہیں لمَس بھی عطا کرنا
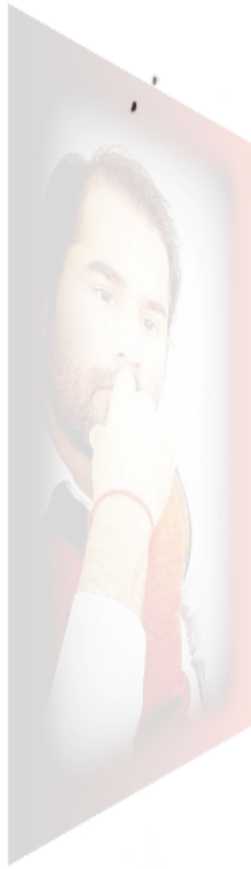
بیا جاناں تماشا کن

وہ چوراہے پہ بیٹھی ہے
بدن پر بس برائے نام پیراہن
بدن کا مرمریں پن
مقناطیسی خال و خد
چاروں طرف سے موٹریں، تانگے، بسیں، رکشے
گزرتے ہیں
سبھی پیدل گزرنے والے رُک کر
آنکھوں آنکھوں میں چباتے ہیں
ٹریفک رُک گیا ہے
ایک آوازہ
کسی کا دوسرا، پھر تیسرا، پھر چوتھا آوازہ
اندھیرا چھا گیا ہے

اچھے خاصے صاف ستھرے اور مہذب آدمی
شکلیں بدل بیٹھے
چمکتے رنگ کالے پڑ گئے
باچھیں کُھلیں اور انگلیاں پنجے بنیں
ڈریکولے پھر آگے بڑھے
اک ہاتھ اور پھر دوسرا، پھر تیسرا پھر، ——————
یاد کرتی ہے وہ پہلا ہاتھ
جس نے پیار سے تھاما تھا اور کورے بدن میں
پہلی پہلی سنسناہٹ جس سے جاگی تھی
وہ پہلا ہاتھ
اِن ہاتھوں میں شامل ہے
کہ اب تک لوٹ کر واپس نہیں آیا
مگر یہ کون پہچانے
کوئی تو ڈھونڈ لائے، ڈھونڈ لائے
روشنی پھیلی
ٹریفک پھر رواں ہے
اور وہ چوراہے پہ بکھری ہے

○

مرے خوابوں میرے خیالوں کی یہ جنت بکھرے نہیں
وہ مجھ کو پیار نہ بخشے لیکن مجھ سے بچھڑے نہیں

اُس کے دل میں محفوظ رہے اک گوشہ میرے لئے
وہ بے شک کوسوں دور رہے پر مجھ کو بھولے نہیں

جاں سے گزرنا ہی ٹھہرا تو کیا زخموں کا شمار
اور کیسا شکوہ اُس نے اگر آنسو بھی پونچھے نہیں

چہرہ اِس لڑکی کا جیسے اک مرجھایا ہُوا پھول
لکھے جو شعر تو یوں لگتا ہے موسم بیتے نہیں

شام ڈھلے اک آگ جلے میں آس کی جوت جگاؤں
جب رات فراق کی چھا جائے تو آنسو رُکتے نہیں

○

جب آسمان پہ بکھری شفق کو تکتی ہوں
تجھے میں بھیگتی پلکوں سے یاد کرتی ہوں

تو میرے گھر میں جو مہمان بن کے آئے کبھی
تری شریر نگاہوں سے چھپتی پھرتی ہوں

نجانے کب سے ترے ہاتھ کی لکیروں میں
میں اپنے نام کی ریکھا تلاش کرتی ہوں

جو میرے سامنے تیرے بدن سے چھو جائے
میں اب تو ایسی ہوا سے بھی جلنے لگتی ہوں

عجیب رُت ہے کہ سب منظروں کے چہروں پر
میں ایک خواب کے منظر کا نقش تکتی ہوں

اُتر گیا ہے بدن میں جُدائی کا سورج
یہی سبب ہے اندھیروں میں بھی چمکتی ہوں

وہ دائروں میں گھِرا ہے، یہ میرے علم میں ہے
مگر ملن کے لئے سیدھی راہ چلتی ہوں
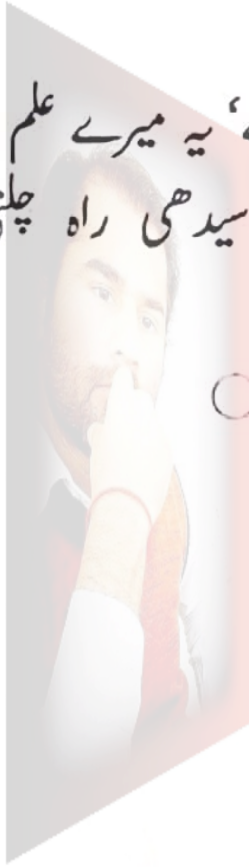
پھر پُرانے ہجر

پھر ستمبر کا مہینہ آ گیا ہے
ساتھ لے کر بیتے وقتوں کا فسوں
اور گزرے سالوں کا طلسم
پھر گلابی صبحیں آئیں، شبنم آلودہ شبیں
پھر آنکھ پر اُترے سنہرے خواب
بھولی چاہتوں کے قافلے آنے لگے
اور دل کے اندر گھنٹیاں بجنے لگیں
پھر گزرے وقتوں میں سُنے گیتوں کی تانوں، ساز کی لے نے
سماعت کو چھُوا
اور رات دن اک عالمِ خوابیدگی میں گُم ہوئے
اور دل میں میٹھا میٹھا درد سا ہونے لگا
پھر قربتوں کے ٹھہرے پانی جیسے موسم میں
کوئی کنکر گرا، مجھ کو
پرانے ہجر یاد آنے لگے

○
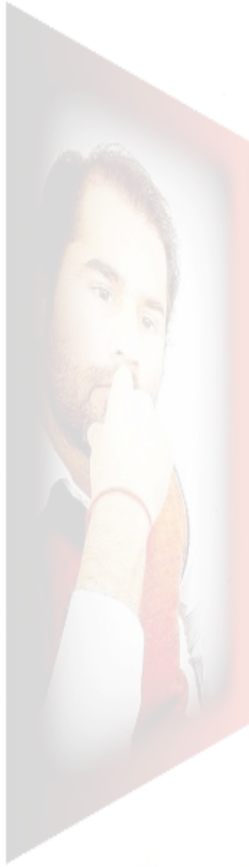
منتظرؔ کے لئے

ہر بُنِ مو
آنکھ بن کر دیکھتا ہے
ہر رگِ جاں سے صدا آتی ہے
اب تو آ ہی جائے
آ ہی جائے منتظرؔ میرا
میں کب سے منتظِر ہوں
زندگی
جس کے لئے گزری چلی جاتی ہے' تنہا
آشنا چہروں کے ساتھ

اِن آشنا چہروں کی آنکھوں میں
شناسائی مگر ملتی نہیں
چہرہ مرا اک دُھند کے پیچھے
بہت ہلکا، بہت پھیکا
نظر آتا ہے مجھ کو
میں شناسائی کا جوہر
اب کہاں سے لاؤں گی
وہ دور ہے
اور زندگی گزری چلی جاتی ہے
تنہا
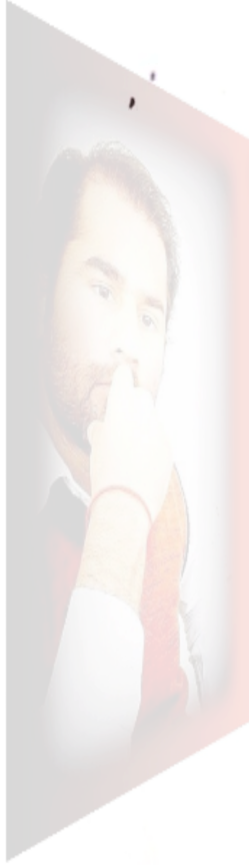
○

رفیق
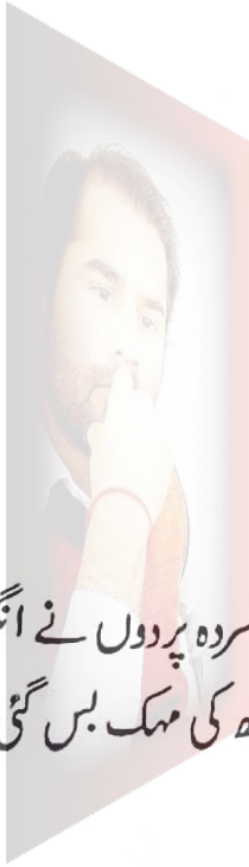
سرِ شام
میرے دریچے پہ جُھک کر
گلِ زرد کی بیل نے یہ کہا
"استعارہ ہوں میں
منتظرِ آنکھ کا"
جب ہوا سَر سرائی تو مدت سے افسردہ پردوں نے انگڑائی لی
اور چاروں طرف ایک بے نام دکھ کی مہک بس گئی
کارنس پر رکھی
ایک دوشیزہ تصویر کے گال پر
منجمد اشک بولا
"سہارا ہوں میں
منتظرِ آنکھ کا"

کہاں سویرا ہوا دن ڈھلا نجانے کہاں
ترا خیال مجھے لے گیا نجانے کہاں

ڈھلا جو چاند اندھیرے ہوئے مرے مہماں
کِھلا جو چاند اُجالا ہوا نجانے کہاں

مرے بغیر نہ جینے کی کھائی تھیں قسمیں
وہ ایک پل میں بُھلا کر چلا نجانے کہاں

وہ ایک جھونکا جو آیا تھا زرد موسم کا
وہ تتلیوں کو اڑا لے گیا نجانے کہاں

حریمِ دل میں ترے پیار کی تمنّا کا
جو اک چراغ بُجھا تھا' جلا نجانے کہاں

جب آئینے کی اُداسی اُتر گئی مجھ میں
تو راہوار رُکا وقت کا نجانے کہاں

○

کلیاں ہنسیں، نسیمِ سحر لب کشا ہوئی
یہ رات کس کے واسطے آغوش وا ہوئی

اک سیج سی بچھی تھی ستاروں کی رات بھر
جھپکی پلک تو ساری مسرت، ہَوا ہوئی

اُس اجنبی سے مل کے گماں سا ہوا مجھے
یہ ذات پہلی بار شکست آشنا ہوئی

ویران راستے پہ کِھلے پھول کی طرح
میں تجھ سے دور زندہ رہی اور فنا ہوئی

ساحل پہ بیٹھ کر نہ تماشا کبھی کیا
یہ زندگی بھنور سے نبرد آزما ہوئی

آئے بھی وہ چلے بھی گئے چشمِ انتظار
یہ تو بتا بچھڑ کے ترے ساتھ کیا ہوئی

○

پہنچ کے منزل پہ بھی نہ چھوڑے گا ساتھ میرا
کسی ستارے نے تھام رکھا ہے ہات میرا

مجھے تو بس ایک شکلِ دلدار ہی خوش آئی
زمانے بھر سے جدا تھا معیارِ ذات میرا

وہ جیسے شبنم لرز کے رہ جائے پتّوں پر
بہت نہیں تو اسی قدر ہو ثبات میرا

ہزار حملے ہوئے پہ قائم انا ہے میری
کہاں شکست آشنا ہوا سومنات میرا

میں صرف ذرّہ ہوں ذات اُس کی ہے ایک صحرا
یہی ہے علمِ حیات اور کائنات میرا

○

آخرِ شب

آخرِ شب
فلک سے اُترتی ہوئی شبنمیں ساعتوں میں
ستاروں کی جھلمل تلے
جب زمیں سو رہی تھی
زمیں سانس لیتی ہوئی ایک عورت کے مانند
کھولے ہوئے چھاتیاں سو رہی تھی
تو سانسوں کے اِس زیر و بم میں
سمندر، پہاڑوں سے ملتا ہوا، جاگتا تھا
فضا، گھور اندھیرے میں ڈوبی ہوئی
پر اندھیرے سے جیسے کوئی آنکھ مانوس ہو اور سب دیکھتی ہو
ستاروں کی جھلمل فلک سے اُترتی ہوئی

اور ترائی میں بھیگا ہوا حُسن
اس نے کہا :
حُسن اندھیروں میں کُھلتا ہے
اور روشنی اک لبادہ ہے
آنکھیں، بہت دور تک دیکھنے کی ہوں خوگر
تو اکثر بہت پاس کی شے نہیں دیکھ پاتیں
محبت سکھاتی ہے سب
دیکھنا، سوچنا، یاد رکھنا
تو نفرت کو پوشیدہ رکھو
کہ نفرت وہ پتھر ہے
جس کو پہاڑوں کا سینہ نہیں جھیل پاتا
وہ شعلہ ہے
جس کو سمندر بجھانا بھی چاہے تو قاصر رہے
اور محبت کرو
سیدھی سادی محبت کہ جو زندگی کا
بہت دور تک، آخری دم تلک ساتھ دے
صورتوں سے، اداؤں سے ناموں سے، روحوں سے
سب سے محبت کرو

ہاتھ میں ہاتھ منزل کا پہلا نشاں ہے
تو منزل مسافت کی حد پر گڑی ہے"
مگر زندگی
تیز پانی کے ریلے کی زد پر پڑا' گول پتھر
بلندی سے گرتی ہوئی آبشاریں نہیں دیکھتیں
اُن کی زد پر ہیں پتھر کہ خاشاک و خس
آدمی
'پتلیوں کی طرح' آسماں کے تلے
ایک سفّاک ڈوری میں جکڑا ہوا' ناچتے ناچتے
ختم ہو جائے گا!

تھا تصوّر بنا حقیقت وہ
آدمی ہے کہ اک قیامت وہ

بے سبب روٹھ بیٹھنے کی ادا
بے سبب ڈانٹنے کی عادت وہ

اک اداسی کی دُھند چہرے پر
آنکھ سے جھانکتی شرارت وہ

ہونٹ شبنم تو لمس مثلِ صبا
سانس میں پھیلتی تمازت وہ

دل کا دل سے عجیب طرزِ کلام
دوریوں میں بھی اک رفاقت وہ

سرد تنہائیوں میں یاد آئے
اُس کے سورج بدن کی حدّت وہ

رات بھر دھیان آئینہ سا رہا
جگمگاتی رہی تھی صورت وہ

○

سورج کا شجر چھوڑ کے اک نور بھری شاخ
دھرتی پہ گری دھوپ کے پھولوں سے لدی شاخ

میں پھول نگر کھوجنے نکلی ہوں اکیلی
گھر چھوڑ امیدوں سے بھری ایک ہری شاخ

شب خواب میں دیکھا کہ تم آئے ہو مرے پاس
دیتے ہو مرے ہاتھ میں اک پھولوں بھری شاخ

پربت سے بُلاتی ہے کوئی اجنبی آواز
پھر ہاتھ اشارے کو ہِلاتی ہے کوئی شاخ

پھر سانپ کی آنکھوں کا ہوا سحر کسی پر
جس پر ہے بسیرا مرا، جلتی ہے وہی شاخ

ق

خوشبو کا سفر ہے میں دوراہے پہ کھڑی ہوں
اور زادِ سفر میں ہے فقط پھول، کلی، شاخ

اک بھیگے ہوئے رستے پہ قدموں کے نشاں ہیں
اور دوسرے پر راہنما ایک ہری شاخ
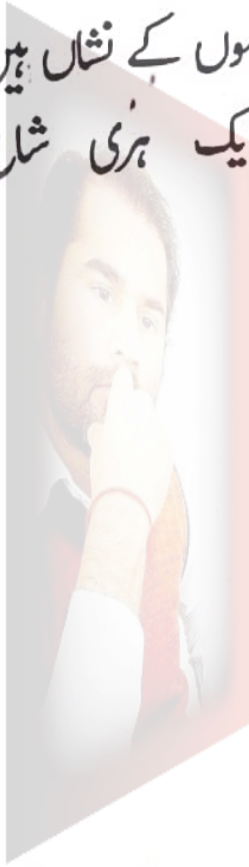
ایک شعر

بس ایک رات ملاقات کا ہوا وعدہ
وہ دن اور آج کا دن، نیند پھر نہیں آئی
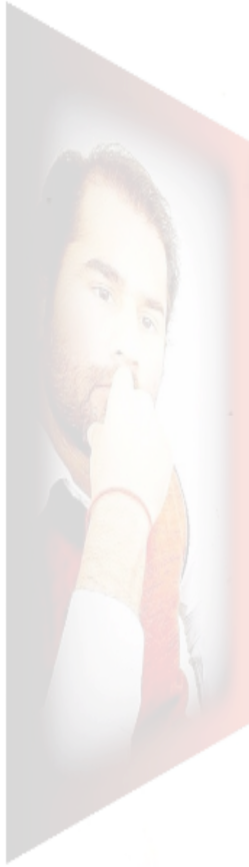
مداوا

ساتھی
جب سے دور ہوئے ہو
اپنے دل کی دھڑکن سنتے
اپنا چہرہ
اپنے ہاتھوں سے سہلاتے
اپنی ہی بانہوں پر
بوسے دیتے دیتے
اپنی ہی سانسوں سے جلتے
پوری رات گزر جاتی ہے

○
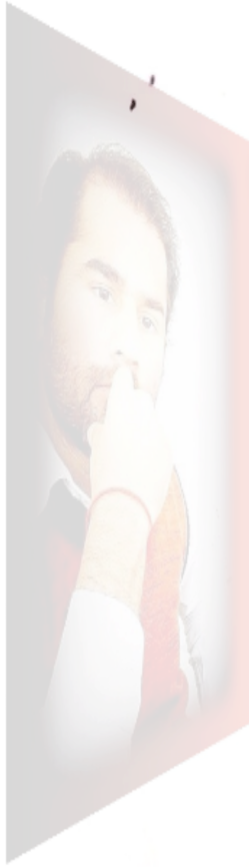
سب سلامت رہیں

سب سلامت ہیں
پھر بھی مجھے ایسا لگتا ہے
تنہائی
میرے مقدّر میں لکھی گئی ہے
کہ تنہائی ہی فرش
تنہائی ہی میری چھت
میرے اطراف میں صرف تنہائی
تنہائی چادر ہے تن کی
تو من میں بھی تنہائی ہی شوکتی ہے
مرا آسماں ڈھے گیا ہے

زمیں ذرّہ ذرّہ خلا میں بکھر کر
فنا ہو چکی ہے
مرا باپ، ماں، بھائی بہنیں، عزیز و اقارب، سبھی دوست
محبوب
سب مر چکے ہیں
میں تنہائی کے گھُپ خلا میں بھٹکتی ہوں
سانسوں کا زہراب پیتی ہوں
زندہ ہوں لیکن اکیلی ہوں میں
(سب سلامت رہیں، سب سلامت رہیں اے خدا!
سب سلامت رہیں)
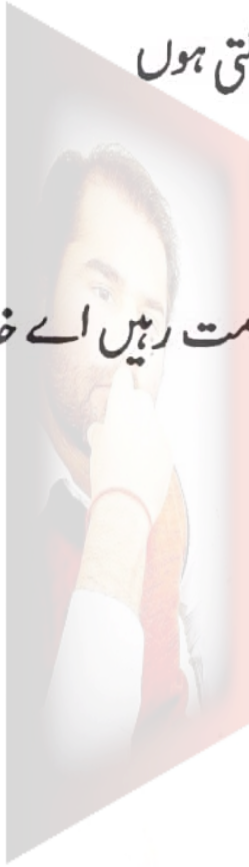
چوتھی سمت

پُرانے وقتوں کے شاہزادے
سفر پہ جاتے تو لوگ اُن کو
ہمیشہ ہی چوتھی سمت جانے سے روکتے تھے
مگر انہیں اک عجب تجسّس
کشاں کشاں اُس طرف بڑھاتا
اور ایک سنسان راستے پر
ہوا کی بے چین سیٹیوں سے
اُبھرتی آواز
شاہزادوں کے نام لے کر پُکارتی تھی
پلٹ کے تکتے تو شاہزادے
سیاہ پتھر میں ڈھلتے جاتے

ہمارے بچپن نے یہ کہانی
اَماوسوں کی اندھیری راتوں میں
کتنے شوق اور کس لگن سے
ہزار ہا مرتبہ سُنی تھی
ہمارا بچپن گزُر چکا
اب ہمیں بھی درپیش اک سفر ہے
تو اب ہمیں بھی یہی تجسّس
اگر کبھی چوتھی سمت لے جائے
ہم چلے جائیں گے، مگر اتنی التجا ہے
خدائے برتر!
ہمارا انجام مختلف ہو
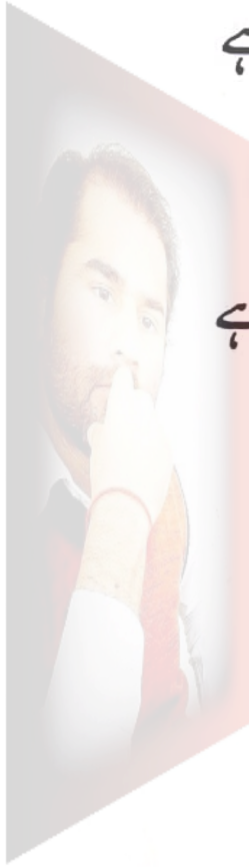
مرے جلتے بدن میں برف بھرنے دو
مجھے جاڑوں کی راتوں میں ٹھٹھرنے دو

بھرم کھُل ہی نہ جائے زردیوں سے، تم
مجھے اپنے لبوں کو سرخ کرنے دو

چٹخ جاؤ گے پتھر کی طرح اک دن
یہی بہتر ہے ریت اپنی بکھرنے دو

بہت ہی گھاؤ ہیں پانی کے مٹی پر
کنارہ چھوڑ دینا، زخم بھرنے دو

کسی دن آسماں کو اوڑھ ہی لیں گے
کبھی دھرتی کی سیوا بھی تو کرنے دو

بڑی مشکل ہے کر دو فیصلہ کوئی
مجھے جینے نہیں دیتے تو مرنے دو

گھر کی ویرانی سے کب ہم کو پریشانی ہوئی
آنکھ تب چھلکی جب اِس دل میں بھی ویرانی ہوئی

آسماں تا لا مکاں تھا اک نظر کا سلسلہ
ایک ہی حسرت کی عالم میں فراوانی ہوئی

دولتِ دنیا سے پہلے ہی نہ تھا کچھ واسطہ
دولتِ ہستی تری راہوں میں ارزانی ہوئی

موج سی اُٹھتی ہے میرے دل سے اِن آنکھوں تلک
پتھروں جیسی طبیعت تھی مگر پانی ہوئی

لمسِ گمُ گشتہ' تری حسرت ہے میرا منتہا
زندگی تیرے طلسمِ شب میں زندانی ہوئی

ہم بھی کہتے تھے جہاں میں کچھ بدلنا ہے محال
عشق کی ٹھوکر سے ہر اک بات امکانی ہوئی

جیسے نیلے آسماں پر کھِل اُٹھا ہو ماہتاب
ایک بوسے سے فلک آسا یہ پیشانی ہوئی

○

کچی عمر تھی آنکھوں میں کچھ خواب بھی تھے
اور رواجوں رسموں کے گرداب بھی تھے

یہ بھی زعم کہ اپنا سکوں تو دائم ہے
جُھکتی پلکوں میں جگمگ سیماب بھی تھے

مایوسی کا رنگ اب کالا لگتا ہے
پہلے اِس تاریکی میں مہتاب بھی تھے

دنیا سے، دنیا والوں سے ربط بھی تھا
اور آنکھوں میں کچھ ان دیکھے خواب بھی تھے

ڈھلتی رات اور جگنو کُھلے دریچے میں
اوس میں بھیگے سرخ اور زرد گلاب بھی تھے

صرف نہیں تھا راحت ہی کا اُجلا پن
اپنی قسمت میں تو چند عذاب بھی تھے

جانے والے وقت کی جھولی میں اپنے
ایسے کچھ لمحے تھے جو نایاب بھی تھے

پھول اُچھالے اکثر بیگانوں نے بھی
پتھر مارنے والوں میں احباب بھی تھے

ہم دونوں کی ساری عمر فضول کٹی
دنیا میں جینے کے کچھ آداب بھی تھے

شام جو چہرے پہ لہراتے ہوئے رنگ کی تھی
بعد تیرے، وہی کاجل میں ڈھلے رنگ کی تھی

نہ محبت کا جنوں تھا نہ کوئی خواہشِ لمس
بس شرارت تو فضاؤں میں چھپے رنگ کی تھی

دل سے نکلی تھی کوئی بات گلابی، آبی
لب سے پھوٹی ہوئی سرگوشی، ہرے رنگ کی تھی

"آسماں حدِ نظر شیشہ ء مے" لگتا تھا
وہ سحر، شام کے رنگوں میں ڈھلے رنگ کی تھی

اُس کے لہجے کی دمک اور ہی محسوس ہوئی
اُس کی آنکھوں میں چمک آج، نئے رنگ کی تھی

یوں تو میں سہہ نہیں سکتی تھی حنا کی خوشبو
پر وہ شب نرم ہتھیلی پہ سجے رنگ کی تھی

شاخ در شاخ بڑی دور تلک ہم بھی گئے
ہاتھ آئی نہیں تتلی بھی، ہرے رنگ کی تھی

بحر ایسا کہ بہت ڈوب گئے دل زدگاں
موج ایسی کہ ہر اک لحظہ نئے رنگ کی تھی

ایک سورج

نظم
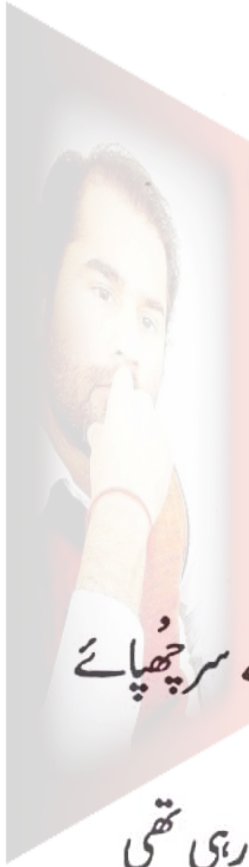
میں اک کلی تھی
جو زمہریری ہواؤں کی زد سے سر چھُپائے
ترے دریچے کے ساتھ
سنگِ سیہ کے پہلو میں کھِل رہی تھی
فنا کے
جھونکے کے خوف سے
دھیرے دھیرے پلکیں جھپک رہی تھی
پھر اِس سے پہلے کہ شب اُترتی

مہیب کُہرا فضا پہ چھاتا
فنا کے جھونکے مری بدن وادیوں کا آ کر
طواف کرتے

اور اِس سے پہلے کہ میری نوخیز روح
اُن ٹھنڈی دوزخوں کا نوالہ بنتی
جدائیاں جن کو سینچتی ہیں
اور اِس سے پہلے کہ شب اُترتی
مری ٹھٹھرتی نظر نے دیکھا
کہ سبز رُت کی نوید لے کر
ترے دریچے پہ
سرخ سورج چمک رہا تھا
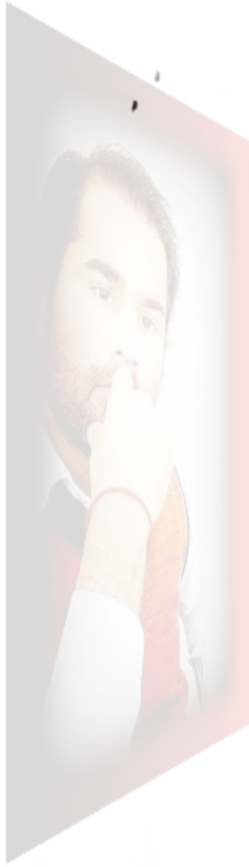
میں شعر کیوں کہتی ہوں ' نہیں جانتی ' اس کے لئے میرے پاس کوئی جواز نہیں ہے - جب میں نے ہوش سنبھالا اور پہلی مرتبہ آنکھیں کھول کر خود کو دیکھا تو منکشف ہوا کہ میں پیدائشی طور پر کچھ چیزوں کی اسیر ہوں - زندگی ' شاعری ' محبت اور غم - زندگی ' جو ایک بار ملتی ہے اور کئی بار بسر ہوتی ہے - جتنی ستم شعار ہے ' اتنی ہی عزیز - زندگی ' جس طرح وہ میرے ساتھ پیش آئی - شاعری ' جب اترتی ہے تو اپنے ساتھ بہالے جاتی ہے ' پاؤں اکھڑ جاتے ہیں ' سانس پھول جاتی ہے - شاعری ' جس طرح وہ مجھ پر نازل ہوئی - محبت ' جو آدمی کی کایا پلٹ دیتی ہے - اپنے سوا کچھ یاد نہیں رہنے دیتی ' جینے دیتی ہے نہ مرنے دیتی ہے - محبت ' جس طرح وہ میرے وجود پر چھائی رہی اور غم ' جس کے حضور میں سراپا سپاس ہوں - غم ' جو گہرے پانیوں میں لے جاتا ہے - اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے ' باقی سب کچھ محو کردیتا ہے - غم ' جس طرح وہ ہمیشہ میرے دل کے گرد لپٹا رہا - ہر شخص عمر کے کسی نہ کسی حصے میں خواب ضرور دیکھتا ہے اور سچائی سے پیار ضرور کرتا ہے - مگر میں نے پوری عمر ' سچائی سے عشق میں اور خواب کی کیفیت میں بسر کی ہے - اگر کبھی کوئی سچ مجھ پر ہویدا ہوتا ہے تو وہ بھی ایک خواب ہی لگتا ہے -

پری خانہ
ثمینہ راجہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
پری خانہ

ثمینہ راجہ
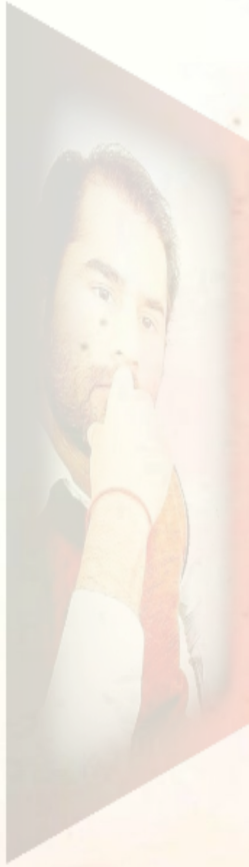
الحمد پبلی کیشنز
رانا چیمبرز۔ سیکنڈ فلور۔ (چوک پرانی انار کلی) ۔ لیک روڈ۔ لاہور
☎ 7310944-7231490

ھماری کتابیں .....

خُوبصورت، معیاری اور

کم قیمت کتابیں

تزئین واہتمام اشاعت

صفدر حسین

ضابطہ :

اشاعت	:	ستمبر ۲۰۰۲ء
مطبع	:	شرکت پریس لاہور
سرورق	:	ریاظ
قیمت	:	250 روپے

انتساب

پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا
افسونِ انتظار، تمنّا کہیں جسے

(غالبؔ)

نزول

مئی۔ستمبر

۲۰۰۱ء

ترتیب

ایک کے بعد ایک افسانہ
زندگی بن گئی پری خانہ

دشت میں اک طلسمِ آب کے ساتھ
دُور تک ہم گئے سَراب کے ساتھ

پھر خزاں آئی اور خزاں کے بعد
خار کھِلنے لگے گلاب کے ساتھ

رات بھر ٹوٹتی ہوئی نیندیں
جو گئیں سحرِ ماہتاب کے ساتھ

ہم سدا کی طرح بُجھے ہوئے تھے
وہ تھا پہلی سی آب و تاب کے ساتھ

چھوٹی عمروں کی پہلی پہلی بات
کچھ تکلّف سے، کچھ حجاب کے ساتھ

اور پھر یہ نگاہِ خیرہ بھی،
ڈوب جائے گی آفتاب کے ساتھ

رات کی طشتری میں رکھّی ہیں
میری آنکھیں کسی کے خواب کے ساتھ

اُس گلی میں نہ کیسے کوئی جائے
شام کو اِس دلِ خراب کے ساتھ

یہ فقط رسم ہی نہیں اے دوست
دل بھی شامل ہے انتساب کے ساتھ

جیسے یہ درد سے بنی ہوئی تھی
شام اِس طرح کا سنی ہوئی تھی

نیند اور خواب میں ٹھنی ہوئی تھی
دل کی آنکھوں سے دشمنی ہوئی تھی

رات کی اپنی روشنی تھی بہت
دھوپ کے جیسی چاندنی ہوئی تھی

کوئی ذی روح دُور دُور نہ تھا
اور خموشی بہت گھنی ہوئی تھی

کون تھا بَن میں بھیگنے والا
چادرِ ابر کیوں تنی ہوئی تھی

گونجتی تھی ہر ایک سانس کے ساتھ
اک تمنّا جو راگنی ہوئی تھی

ایک مدّت کے انتظار کے بعد
اُس دریچے میں روشنی ہوئی تھی

آئینہ کیوں سیاہ لگتا تھا؟
کیا اندھیرے سے میں بنی ہوئی تھی

اپنے ہی عہد اُستوار تلک
دل رہے گا اُسی حصار تلک

جب چلے نیند سے، تو ہو آئے
خواب کے حسنِ بے شمار تلک

پھر مُسافت کوئی ہوئی در پیش
پھر اُسی شوقِ بے کنار تلک

ہم کو راس آ گیا ہے رنگِ خزاں
کون بیٹھا رہے بہار تلک

کیا کبھی پھر پلٹ کر آئے گا
وہ مری شامِ انتظار تلک

جا رہا ہے فراق کا رستہ
دُور اک زرد شاخسار تلک

تتلیاں اُڑ رہی ہیں آنکھوں میں
دھوپ پھیلی ہے مرغزار تلک

رات بھر ماہتاب اُترا تھا
کم، ذرا خواب کے مدار تلک

پیاس ہے دشت کی، سو چلتے ہیں
ایک اُمیدِ جوئبار تلک

حیرتی ہیں خیال کے ہم بھی
اور کسی رازِ آشکار تلک

ہم سے کرتا ہے گفتگو بھی کہیں
یونہی گر ہو وہ روبرو بھی کہیں

زندگی کا ہے جس پہ دار و مدار
کھو گئی ہے وہ آرزو بھی کہیں

پینے والوں کی طرح ٹوٹے ہوئے
صبح ہوں گے خُم و سُبو بھی کہیں

بات تصویر سے بھی ہوتی ہے
رنگ کرتے ہیں گفتگو بھی کہیں

کیا کسی کو دکھائی دیتا ہے
دل سے بہتا ہُوا لہو بھی کہیں

شامِ نغمہ ہے اور بیٹھا ہے
دُور اک سُرمہ در گلو بھی کہیں

پھول ہیں یا ڈرے ہوئے بچّے
بھول آئے ہیں رنگ و بو بھی کہیں

چار سُو ڈھونڈتی ہیں کیا آنکھیں
کوئی ہوتا ہے چار سُو بھی کہیں

با وفا کب ہوئے ہیں ثروت مند
عشق کرتے ہیں خوبرو بھی کہیں

کیا فقط زُحل ہے مقابلے پر
یا مرے سامنے ہے تُو بھی کہیں

ایک کے بعد ایک افسانہ
زندگی بن گئی پری خانہ

یاد میں ایک موڑ آتا ہے
جس سے آگے ہے کوئے جانانہ

سو گئے، بے پیے ہی سارے رند
آج تک جاگتا ہے میخانہ

آگ ہی جب کسی کی قسمت ہو
آپ ہی شمع، خود ہی پروانہ

سارے دُکھ پیکروں میں ڈھلنے لگے
دل میں بنتا گیا صنم خانہ

رات کشکول تھام کر آئی
ہاتھ سے گرِ گیا تھا پیمانہ

شہر خود میں سمٹتے جاتے ہیں
پھیلتا جا رہا ہے ویرانہ

روشنی سے ڈرے ہوئے ہیں مکاں
زندگی سے مکین بیگانہ

کوئی آواز، گونجتی آواز
کوئی دیوانہ! کوئی دیوانہ!!

تُو جو زندہ ہے زندگی کر بھی
لوگ جیتے نہیں ہیں، جی کر بھی

کچھ ہیں خوش نام، شور اور شر سے
کوئی رُسوا ہے ہونٹ سی کر بھی

دل سی شے تیرے ہاتھ میں ہے دوست،
آج تو آئینہ گری کر بھی

جی اُٹھیں ایک حرفِ عشق سے ہم
خیر یہ شعبدہ سہی، کر بھی

دل میں کچھ فرق آ گیا کہ تری
آنکھ بہکی نہیں ہے پی کر بھی

شعلہ خُو ہے بہت، یہ مانتے ہیں
صرف اک رات دلبری کر بھی

آسماں پیچ و تاب کھاتا ہے
زندگی! ہم سے دوستی کر بھی

اک کے بعد ایک جاں گُسل لمحہ
چارہ گر! معجزہ کوئی کر بھی

رات بھر انتظارِ خواب میں آج
جاگنا ہے تو شاعری کر بھی

رنگِ موسم ہُوا ہے برہم کیا
ہجر سے زرد ہے یہ عالم کیا

آنکھ اب تک وہیں پہ اُلجھی ہے
عشق کی ساعتیں تھیں ریشم کیا

دل کی مٹی میں ایک بیج رکھا
آنے والا ہے سبز موسم کیا

روشنی بے بسی سے دیکھتی ہے
دو اندھیروں کا ہے یہ سنگم کیا

پچھلے موسم کے وہ سپید گلاب
ڈھونڈتی ہے چمن میں شبنم کیا

پھیکی پڑنے لگی تری تصویر
رنگِ فرقت ہُوا ہے مدھم کیا

آنکھ یونہی رہے گی بے مقدور
ہونٹ یونہی رہیں گے بے نم کیا

کوئی آسیب ہے مرے گھر میں
چاپ سی گونجتی ہے ہر دم کیا

جھوٹ لگنے لگی دعا کیسے
خواہشِ زندگی ہوئی کم کیا؟
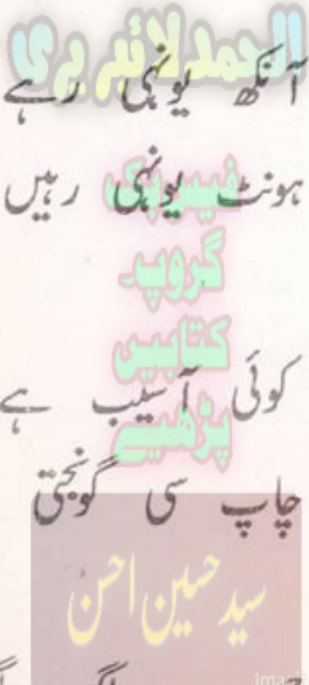
ایک اک لمحہ دل پہ بھاری ہے
شام ہے اور بے قراری ہے

ہجر میں ایک پل نہیں کٹتا
کس طرح زندگی گزاری ہے

بے یقینی کی اک صلیب پہ دل
جیت کر بھی یہ جنگ ہاری ہے

کس طرح جگمگا رہی ہے نظر
یہ محبت کی مینا کاری ہے

دُور حدِ نظر تلک اک خواب
چاندنی کا طلسم طاری ہے

پھیلتی ہے چمن میں اُس کی ہنسی
موسمِ نَو کی آبیاری ہے

اشک، لفظوں سے معتبر ٹھہرے
خامشی، آنسوؤں پہ بھاری ہے

ہو گئے باشعور وقت کے ساتھ
اب تمنّا بھی اختیاری ہے

کیا ہوئی آگ جو لہو میں تھی
جسم پر کیسی برف باری ہے

اے خدا! ایک خواب کا مرہم
آنکھ پر زخمِ یاد، کاری ہے

رنگ آنے لگا ہے محفل پر
خامشی چھا رہی ہے اِس دل پر

شام اُتری ہے جل پری کی طرح
روشنی ہو گئی ہے ساحل پر

جان خود اُس کی نذر کرتے ہیں
کیا بھروسا ہے اپنے قاتل پر

راستوں سے جُڑے ہوئے رستے
کون رُکتا ہے سنگِ منزل پر

زیست کے راز ہائے گونا گوں
انحصار ایک چشمِ غافل پر

دشت میں رات ہے، اُداسی ہے
قیس پر، کارواں پہ، محمل پر

غور کرتے ہیں، مسکراتے ہیں
ایک کے بعد ایک مشکل پر

تم کہاں، ہم قصور وار ہوئے
اپنے اک اعتبارِ باطل پر

عشق کی انتہا اگر غم ہے
ہم بھی نازاں ہیں اپنے حاصل پر

ساعتِ بے دعا کا سامنا ہے
جرم کو پھر سزا کا سامنا ہے

مہر و ماہ و نجوم سے پہلے
درمیاں کے خلا کا سامنا ہے

میری آواز دب گئی ہے کہیں
اب تو تیری صدا کا سامنا ہے

دُکھ محبت کے بِیج سے پھوٹے
ایک جنگل نُما کا سامنا ہے

بات کرتی ہے پھول سے تتلی
کیسے رنگیں نوا کا سامنا ہے

ایک ہی خواب جھیلتے رہنا
کیا کسی بد دُعا کا سامنا ہے

مجھ میں میرے علاوہ کوئی تھا
آج پھر اُس بلا کا سامنا ہے

نیند تو آنکھ کی امانت تھی
جسم کو کس سزا کا سامنا ہے

کیا خبر ہے پرندِ خواب نوا
پھر سے مُلکِ سبا کا سامنا ہے؟

زندگانی کے رقصِ جاری میں
موت کی انتہا کا سامنا ہے

کھو نہ دے جلد اپنی آب و تاب
آنسوؤں میں پڑا ہُوا اک خواب

قصر میں اُونگھتے ہوئے فانوس
جھیل میں ڈوبتا ہُوا مہتاب

شام پہلو میں آن بیٹھی ہے
چہرہ ء زندگی نہیں شاداب

چاند اُترا ہے شاخِ لرزاں پر
اے دلِ مُبتلا نہ ہو بیتاب

ساز کی طرح چھیڑتا ہے مجھے
رات بھر تیری یاد کا مِضراب

جھاگ اُڑاتا ہُوا گیا ہے ابھی
میرے پاؤں تلے کوئی سرداب

عشق سے کچھ گِلہ نہیں ہم کو
کس نے چکھا نہیں ہے یہ تلخاب

منظرِ زندگی ہے کچھ ایسے
خواب مایوس، آرزو بے خواب

قطرے قطرے میں کوئی چنگاری
یہ لہو ہے بدن میں یا تیزاب

ڈوبنے کے سِوا نہیں چارہ
ایک گرداب اور اک گرداب

نیند میں اس طرح سفر ہوتا
سامنے خواب مختصر ہوتا

آنکھ ہوتی کسی نظر کی اسیر
دل کسی آرزو کا گھر ہوتا

اک ستارے کی سمت ہجرتِ نو
خاکداں سے کبھی مفر ہوتا

اجنبی دیس کی ہواؤں سے
رشتۂ چشم و بال و پَر ہوتا

رات اور دن کی اِس مسافت میں
کوئی اپنا بھی ہم سفر ہوتا

میں جیا کرتی اُس کے روز و شب
وہ مری عمر میں بسر ہوتا

اپنی ہستی کو بھول جاتی میں
وہ بھی دنیا سے بے خبر ہوتا

پاؤں رکھتے زمینِ ابر پہ ہم
کوچہ ء ماہ سے گُزر ہوتا

اُس سے کرتے شکایتِ دنیا
آسماں غمگسار اگر ہوتا

ایک صورت نئی بناتا ہے
پھر مجھے آئینہ بُلاتا ہے

روشنی ہو گئی ہے بادل میں
کیا کوئی ماہتاب آتا ہے

شاخ پر برف سا سفید گُلاب
دھوپ پڑنے پہ جگمگاتا ہے

دیکھنا یہ ہے انتظار کی شام
کون اب کس کو آزماتا ہے

ہاتھ تیرا مری ہتھیلی پر
جیسے کوئی دیا جلاتا ہے

ریت پر آفتاب کا سایا
ایک اک ذرّہ چمچماتا ہے

زندگی مختلف نظر آئی
خواب میں کوئی مُسکراتا ہے

پہلے آہٹ سُنائی دیتی تھی
اب تو سایا مجھے ڈراتا ہے

رات دن کا حساب کون رکھے
درد آتا ہے، درد جاتا ہے

کھینچتی ہے زمین اپنی طرف
جب مجھے آسماں بُلاتا ہے

پر توِ رنگِ ماہتاب کے ساتھ
شب چمکنے لگی ہے خواب کے ساتھ

موت پروانے کی طرف آئی
شعلہء حُسنِ بے حجاب کے ساتھ

اک پری اُس کے دل میں اُتری تھی
جام میں کچھ نہ تھا شراب کے ساتھ

رنگ سارے خزاں کے ساتھ گئے
صرف خوشبو رہی گلاب کے ساتھ

کون پاتا ہے منزلوں کا سُراغ
جبکہ آنکھیں گئیں سَراب کے ساتھ

ساری پچھلی محبتیں، نئے خواب
پڑھ رہی ہوں تجھے کتاب کے ساتھ

تتلیوں نے پروں سے ڈھانپ لیا
میری آنکھوں کو ایک خواب کے ساتھ

یوں کفِ دست پر ہے خطِ دماغ
جیسے دیوانہ ماہتاب کے ساتھ

سخت نقصان اُٹھائے پر دل نے
رہنا سیکھا نہیں حساب کے ساتھ

ہم سفر بھی ہوں رہنما بھی ہوں
وہ جو کشتی کے ناخُدا بھی ہوں

منزلِ غم پہ ساتھ پہنچیں گے
اب اگر راستے جُدا بھی ہوں

بھول جائیں گے تیری یادوں کو
پر کہیں اور مُبتلا بھی ہوں

اپنے چہرے کہاں تلک دیکھیں
دل اگر آئینہ نُما بھی ہوں

دشمنوں کی طرف نہیں جاتے
دوستوں سے اگر خفا بھی ہوں

بیتی یادوں کے سرد جھونکوں سے
در پُرانے گھروں کے وا بھی ہوں

اب کسی سے نہ دل لگائیں گے
اب کسی سے ہم آشنا بھی ہوں

اب کسی سے نہیں کوئی اُمید
چاہے اب لوگ باوفا بھی ہوں

اِس پری خانہ ء خیال میں لوگ
آئیں تو داستاں سرا بھی ہوں

خواب در خواب خود کو کھوئے ہوئے
ہم، سفر میں ہیں یا کہ سوئے ہوئے

سوکھتی جا رہی ہے چشمِ فراق
ایک مدّت ہوئی ہے روئے ہوئے

آسماں کشت ہے ستاروں کی
چند ہیں اِس نظر سے بوئے ہوئے

ایک آنسو کے بعد ایک آنسو
آنکھ نے پھول ہیں پروئے ہوئے

دل میں رکھتے تھے اک الاؤ ہم
خوں کی چنگاریاں سموئے ہوئے

ہچکیاں لے رہی ہے شمعِ فراق
پھول بھی لگ رہے ہیں روئے ہوئے

ایک امید سی جو تھی دل میں
اُس سے بیٹھے ہیں ہاتھ دھوئے ہوئے

پائے گی اگلی نسل کیا ہم سے
خواب برفاب میں ڈبوئے ہوئے

اب بھی دو دل کہیں رکھے ہوں گے
ایک ہی تیر میں پروئے ہوئے

ایک مدّت سے یوں مِلے ہی نہیں
جیسے تم زندگی میں تھے ہی نہیں

جس طرح جھوٹ تھا وہ پاگل پن
جیسے اُلفت کے غم سہے ہی نہیں

جیسے ہم مرکزِ نگاہ نہ تھے
جیسے اُس دل میں ہم بسے ہی نہیں

جیسے وہ سر کبھی جُھکا ہی نہ تھا
جیسے آنسو کبھی بہے ہی نہیں

کیا کوئی اور خواب دیکھتے ہو؟
یا تم اب خواب دیکھتے ہی نہیں؟

ہم نہ کرتے کبھی گِلہ تم سے
خیر، اب تو وہ رابطے ہی نہیں

آخرِ کار جینا سیکھ لیا
خوش رہے ہم، فقط جیے ہی نہیں

جب رہائی ملی پرندوں کو
تو کُھلا بال و پر ملے ہی نہیں

کاروبارِ حیات زور پہ تھا
ہم مگر اُس طرف گئے ہی نہیں

دل کو اک خواب کا اسیر کہا
ہم نے افسانہ بے نظیر کہا

پھر ہجومِ نشاط میں کھوئے
پھر ترے غم کو گوشہ گیر کہا

دل نے اِس عشقِ نا ملائم کو
ریشم و دیبا و حریر کہا

رات کا جال آنکھ تک پا کر
خواب کو ہم نے دست گیر کہا

جس کو پایا غنی محبت میں
صرف اُس شخص کو امیر کہا

آرزو کو پیام بر جانا
عشق کو درد کا سفیر کہا

داستاں کب بیان کی ساری
جو تھا اک حرفِ ناگزیر، کہا

دل نے تعبیرِ خواب لانے کو
ہفت اقلیم و جوئے شِیر کہا

نیند کو تیرے نام کرتے ہوئے
شب گئی، اہتمام کرتے ہوئے

سہل و سادہ رکھا ہے لہجے کو
زندگی سے کلام کرتے ہوئے

کھولتی ہے ہمارا بھید ہَوا
تیری خوشبو کو عام کرتے ہوئے

کتنی ہی شمعیں اپنی جاں سے گئیں
رات کا اختتام کرتے ہوئے

عشق نے دل سے دوستی کر لی
پیش اک غم کا جام کرتے ہوئے

دُور سے دیکھتا ہے دنیا کو
اک ستارہ، خرام کرتے ہوئے

زندگی سے گزر گئے ہم بھی
کچھ سفر، کچھ قیام کرتے ہوئے

گھومتا جا رہا تھا آتش باد
دشت میں قتلِ عام کرتے ہوئے

تھا ضروری ہنسی خوشی رہنا
داستاں کو تمام کرتے ہوئے

روکنا زندگی کے دھارے کو
سخت مشکل ہُوا کنارے کو

شب نے آہستگی سے تھام لیا
ایک گرتے ہوئے ستارے کو

جُھرجُھری لے کے جاگ اُٹھے شجر
پہلی بارش کے اُس نظارے کو

دل کو اپنا بیان دینا تھا
لفظ حاضر تھے استعارے کو

ہم نے اُس موسمِ گلابی سے
ایک لمحہ لیا نظارے کو

کون گذرا تھا پھول چونک گئے
ہاتھ اُٹھانے لگے اشارے کو

آنکھ اُن ساعتوں میں اٹکی ہے
چھونے والی تھی خواب پارے کو

فخر سے دیکھتا ہے سارا فلک
اپنے مہتاب اپنے پیارے کو

سامنے ہے وہ خوابِ مینو رنگ
آنکھ اُٹھتی نہیں نظارے کو

قدرتِ سیمیائی چاہیے تھی
دل کو جلوہ نُمائی چاہیے تھی

دُور کچھ اجنبی زمینوں سے
چشم کو آشنائی چاہیے تھی

نامہء خوابِ صبح لکھنا تھا
دھوپ کی روشنائی چاہیے تھی

دل کو مطلوب سیم و زر کب تھا
اپنے غم کی کمائی چاہیے تھی

ہفت خواں عشق کی نگاہ میں تھے
حُسن کو کم نُمائی چاہیے تھی

یہ زمانہ بھلائی کیا کرتا؟
بس ذرا کم بُرائی چاہیے تھی

دُور سے نقشِ عشق دیکھنے کو
کچھ دنوں کی جُدائی چاہیے تھی

صبح کی سرمدی صدا کے لیے
رات کو لب کُشائی چاہیے تھی

جیسے دیکھی ہو خواب میں دنیا
حیرتِ انتہائی چاہیے تھی
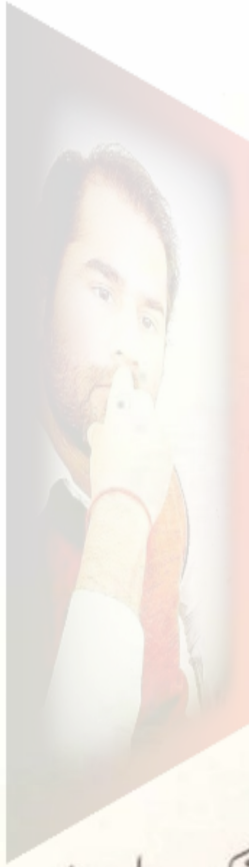
اک محبت ہے۔ جو رہتی ہے شکستہ دل میں
یہ پری، خانہ ء ویراں میں بسر کرتی ہے

آسماں کوئی جو تا حدِ نظر کھولتا ہے
طائرِ جاں بھی، یہ بھیگے ہوئے پَر کھولتا ہے

نام آتا ہے مرا ہجر کی سرگوشی میں
تیری محفل میں کوئی لب بھی اگر کھولتا ہے

دُور سے ایک ستارہ چلا آتا ہے قریب
اور اِس خاک پہ اک رازِ سفر کھولتا ہے

لَوٹنے والے ہیں دن بھر کے تھکے ہارے پرند
اپنے آغوشِ محبت کو شجر کھولتا ہے

موجۂ بادِ صبا بھی جو کبھی چھو جائے
ایسا لگتا ہے، مرا زخمِ جگر کھولتا ہے

غیر سب جمع ہوئے آتے ہیں پُرسش کے لیے
کوئی اِس حال میں کب دیدۂ تر کھولتا ہے

جادہ ء خواب یہی، رہگزرِ فن بھی یہی
ہاتھ پر عشق جہاں بابِ قمر کھولتا ہے

کون کرتا ہے زمانوں کا سفر اِس دل تک
دیکھیے کون اب اِس قصر کا در کھولتا ہے

دیدہ ء عشق نے یہ شعبدہ دِکھلایا تھا
آئینے میں کبھی مہتاب اُتر آیا تھا

ایک بوسہ جو ہتھیلی پہ رکھا تھا اُس نے
گلشنِ ہجر کو اُس پھول نے مہکایا تھا

صف بہ صف لالہ و گل، سرو و سمن ، بادِ صبا
پرچمِ موسمِ گُل دُور سے لہرایا تھا

اک ستارہ جو جُھکا تھا مری پلکوں کے قریب
اُس نے اک رات مری نیند کو چمکایا تھا

جب کوئی نامہ اُسے ساعتِ زُہرہ میں لکھا
تب کہیں دل کی تمنا کا صِلہ پایا تھا

دل سے سورج کی طرح تُو بھی گزر کرتا ہے
اب وہاں دھوپ چمکتی ہے، جہاں سایا تھا

تجھ کو دیکھا جو مقابل تو نہیں دیکھ سکے
پھول آیا تھا کہ اُس سمت سے سنگ آیا تھا

تیری ٹھوکر میں پڑا ہے کسی پتھر کی طرح
اپنی نظروں میں کوئی شخص گراں مایہ تھا

کون اب رَہ میں اُڑاتا ہے تمنا کا غُبار
دل تو وہ غم تری دہلیز پہ چھوڑ آیا تھا

پھر اُسی تپتی ہوئی دھوپ کا در سامنے ہے
ہم نے اِس چشمِ گراں، خواب کو سمجھایا تھا

تیری یادوں سے ہے دل اس طرح جاناں، آباد
جیسے اِس قاف میں ہے کوئی پرستاں آباد

رنگ ہی رنگ ہیں گلشن میں نظر تا بہ نظر
اور قدم تا بہ قدم جیسے خیاباں آباد

تیری آمد کی خبر پا کے ستارے اُترے
حجلہ ء یاس میں کرنے کو شبستاں آباد

میرا دل آئینہ خانہ نظر آتا ہے تجھے
رہ سدا آئینہ خانے میں تُو، حیراں، آباد،

اِس بلندی سے کبھی شہرِ تمنّا دیکھو
دُور تک جیسے کوئی شامِ چراغاں آباد

خواہش آباد میں رہنے کو نہ آئے کوئی
یہ علاقہ ہے زیادہ ذرا گُنجاں آباد

کیسی خوشبو میں بسی آتی ہے یہ موجِ ہَوا
جس طرف گزرے، کیے جائے گُلستاں آباد

ہم نہیں خوش، تو ضروری نہیں سب ناخوش ہوں
لوگ رہتے ہیں یہاں شاداں و فرحاں، آباد

کوئی خواب آئے کبھی دیدہ ء بیدار کی سمت
کوئی آواز کرے خانہ ء ویراں، آباد

ہم بنیں غیرتِ بلقیس؟ مگر عالی جاہ!
آپ آباد تو کیجیے وہ سلیماں آباد

کیسے موہوم جہانوں سے گزر کرتی ہے
شاعری، خواب سے آگے بھی سفر کرتی ہے

جب بھی اُٹھتی ہے وہ پیغامِ بہاراں سی نظر
اِس خزاں زاد کو سر سبز شجر کرتی ہے

اُس کے لہجے میں اگر شائبہ ء لُطف بھی ہو
ایک اُمیّد دل و جان میں گھر کرتی ہے

اک محبت ہے جو رہتی ہے شکستہ دل میں
یہ پری، خانہ ء ویراں میں بسر کرتی ہے

اِس کی ہستی کا ہے جس خواب پہ سب دارومدار
زندگی اُس سے ہی اب صرفِ نظر کرتی ہے

شب وہ پیغامبرِ غم ہے کہ ہر حالت میں
خانہ ء ہجر کو آمد کی خبر کرتی ہے

منجمد ہے کوئی گُزرا ہوا لمحہ تہہِ جاں
تیری آواز اِسے زیر و زبر کرتی ہے

زندگی یوں ہو کہ جس طور سے یہ بادِ صبا
بحر و بر، کوہ و بیابان کو سر کرتی ہے

منتخب کرتی ہے جس کو نگہِ عشق، اُسے
دربدر کرتی ہے اور خاک بسر کرتی ہے

رات خوابوں میں کٹی دن کو تجھے یاد کِیا
دل کو نا حق ہی تری چاہ میں برباد کِیا

جاگتے میں تو ہمیں راس نہ آئی دنیا
نیند میں ایک نگر اور ہی آباد کِیا

عشق نے صید بنایا تھا ہمارے دل کو
ہم نے خود اپنی خوشی سے تجھے صیّاد کِیا

تجھ کو بس ایک نظر اہلِ وفا دیکھ آئے
دل کو کچھ شاد، تو کچھ اور بھی ناشاد کِیا

شامِ خوش رنگ کی دہلیز پہ بیٹھے ہوئے آج
ایک بُھولے ہوئے افسانے کو پھر یاد کِیا

ہم نے کب اپنی تمنّا کا صِلہ تک مانگا
ہم نے کب تجھ سے کوئی شکوہ ء بیداد کِیا

انتہا پر ہی سہی اپنی اذیّت کوشی
پر ترے غم کو سنبھالا تو جہاں زاد کِیا

بوجھ تھا، رنج تھا، آزار تھا، مجبوری تھی
جاؤ، اُس عہد سے ہم نے تمھیں آزاد کِیا

صورتِ صبحِ بہاراں چمن آراستہ ہے
چہرہ شاداب ہے اور پیرہن آراستہ ہے

شہر آباد ہے اک زمزمہ ء ہجر سے اور
گھر تری یاد سے اے جانِ من، آراستہ ہے

جیسے تیار ہے آگے کوئی ہنگامہ ء زیست
اِس طرح راہ میں باغِ عدن آراستہ ہے

کوئی پیغامِ شبِ وصل ہَوا کیا لائی
روح سرشار ہوئی ہے، بدن آراستہ ہے

اے غمِ دوست! تری آمدِ خوش رنگ کی خیر
تیرے ہی دم سے یہ بزمِ سخن آراستہ ہے

دل کے اک گوشہ ء خاموش میں تصویر تری
پاس اک شاخِ گُلِ یاسمن آراستہ ہے

رامش و رنگ سے چمکے ہے مرا خواب ایسے
نیند میں جیسے کوئی انجمن آراستہ ہے

اُس نے سورج کی طرح ایک نظر ڈالی تھی
رشتۂ نور سے اب بھی کرن آراستہ ہے

کیا کسی اور ستارے پہ قدم میں نے رکھا
کیسی پیراستہ دنیا، زمن آراستہ ہے

کیسے آئے گا زمانہ مجھے ملنے کے لیے
میرے رستے میں تو دنیائے فن آراستہ ہے

اور بھی سہمے ہوئے دل کو یہ سہاتے ہیں
اِس اندھیرے میں شجر آگے بڑھے آتے ہیں

اَبر کچھ اَور، ذرا اور جُھکا آتا ہے
سائے کچھ اور، ذرا اور ڈھلے جاتے ہیں

آج دن بھر ہی بہت ٹوٹ کے برسات ہوئی
جانِ خستہ پہ یہ موسم ہی ستم ڈھاتے ہیں

پھر ہَوا ہو کے گئی بھیگے ہوئے پیڑوں سے
پات کیا ہلتے ہیں پھر بوندیاں برساتے ہیں

تُو ابھی ساتھ جو ہوتا تو غزل ہو جاتی
اب تو گزرے ہوئے لمحات کو دُہراتے ہیں

ایسی تاریکی دل و جان و نظر میں ہے کہ بس
اب ستارے بھی اِدھر دیکھ کے گھبراتے ہیں

کوئی شے سانپ کے من کی طرح چمکی ہے ابھی
جیسے کچھ راز اندھیرے میں اُتر آتے ہیں

پھر وہی اسم بھلا بیٹھے ہیں جس کے دم سے
بند دروازے خزینوں کے کُھلے جاتے ہیں

ہم سے تعبیر کی بابت نہیں پوچھو کہ یہاں
لوگ یہ خوابِ جہاں تاب بھی کب پاتے ہیں

کس لیے کوئی کہے بزم سے جانے کے لیے
لیجئے، آپ کی دُنیا سے چلے جاتے ہیں

بخت والے ہیں یہی، ہجر میں رونے والے
جلد جاگ اُٹھتے ہیں یہ دیر سے سونے والے

گھِر کر آتے ہوئے اور جسم پہ چھا جاتے ہوئے
یہ جو بادل ہیں مری آنکھ بھگونے والے

دیکھنا، ملنا، ترے پاس ہمیشہ رہنا
کام لگتے نہیں آسانی سے ہونے والے

کارِ بیکار میں مصروف ہیں کچھ سادہ لوگ
تارِ ہجراں میں دُرِ خواب پرونے والے

عشق نشّے کی طرح صبح تلک ٹوٹ گیا
پھول گلیوں میں مِلے، شب کے بچھونے والے

غم تو ایسا ہے کہ پتھر کا کلیجہ شق ہو
کس طرح زندہ رہیں گے تجھے کھونے والے

جھاگتے رہتے ہیں ہم یاد کے دریاؤں کو
ورنہ پانی تھے یہی دل کو ڈبونے والے

منہ اندھیرے ہی سَحر شور مچاتی آئی
جاگنے پائے نہ تھے باغ میں سونے والے

خواب میں شہر کو سیلاب لیے جاتا تھا
چونک کر جاگ اُٹھے نیند میں رونے والے

اک نظر سے کوئی افسانہ بنا چاہتا ہے
دل پھر اک بار پری خانہ بنا چاہتا ہے

ہم سے بھی اپنی ہی صورت نہیں دیکھی جاتی
آئینہ بھی رُخِ جانانہ بنا چاہتا ہے

روز ہی ایک نیا خواب تراشا جائے
نیند میں جیسے صنم خانہ بنا چاہتا ہے

رُوبرو بزمِ تمنا میں ہے اک شمع مثال
شوق جس کے لیے پروانہ بنا چاہتا ہے

زندگی میں تھا ترے نام کا اک قریہ ء رنگ
اب وہ گلزار بھی ویرانہ بنا چاہتا ہے

مُلتفت غیر پہ ساقی کی نظر ہے اور دل
گردشِ درد سے پیمانہ بنا چاہتا ہے

شہزادوں کو یہاں روز نئی شب درپیش
روز افسانے سے افسانہ بنا چاہتا ہے

ہم نے عمروں کا سفر بہرِ شناسائی کیا
تُو کہ اک آن میں بیگانہ بنا چاہتا ہے

مانگیے حُرمتِ دیوانگیِ عشق کی خیر
ہر کوئی شہر میں دیوانہ بنا چاہتا ہے

عمر پوری ہی جہاں رنگ جمانے میں لگے
ایک پَل لَوٹ کے اُس بزم سے جانے میں لگے

اِسی کوشش میں مری رات نہ بُجھ جائے کہیں
دیر اتنی جو چراغوں کو جلانے میں لگے

کیا لگے تیرِ نشانے پہ کہ جب اِس دل کو
مُدّتِ عمر فقط ایک نشانے میں لگے

آرزوئیں بھی گئیں حسرتِ ناکام کے ساتھ
سب نئے خواب، اُسی خواب پُرانے میں لگے

ایک ہی قصّہ ہے اور زندگی جیسا قصّہ
زندگی پوری مگر اُس کو سُنانے میں لگے

اک ہواؤں پہ تو اک پاؤں ستاروں پہ رکھا
دو ہی پَل عشق کو اُس بزم میں جانے میں لگے

لفظ جتنے تھے وہ اک جھوٹ میں ہی صَرف ہوئے
جتنے سچ تھے وہ سبھی ایک بہانے میں لگے

چند خوشیاں تھیں ترا رنج بُھلانے میں گئیں
چند آنسو تھے تری یاد مِٹانے میں لگے

ساعتیں تھیں کہ مہ و سال کہ صدیاں کہ جنم
یا زمانے، جو ہمیں تیرے زمانے میں لگے

دل میں جب جھانکتے ہیں، چونک کے رہ جاتے ہیں
آفتاب ایک جو اِس آئینہ خانے میں لگے

بے وفائی پہ تری ٹوٹ کے رویا کرتا
دل کہاں کا ہے وفادار کہ شکوہ کرتا

عشق ہے کیسی عجب کیفیتِ بے ہوشی
کوئی گر ہوش میں ہوتا تو تماشا کرتا

ابرِ خوش رنگ! ترے سائے میں رہنے کا خیال
کشتِ ویراں کو دوبارہ تر و تازہ کرتا

کشتیِ شوقِ شکستہ کا یہی تھا انجام
کیا ڈبونے کے سوا اور یہ دریا کرتا

روشنی اِس کے پروں میں کوئی رکھّی جاتی
پھول جگنو کی طرح باغ میں گھوما کرتا

اے زمیں! چاند ہے تیرے ہی بدن کا ٹکڑا
غیر ہوتا تو کہاں شب میں اُجالا کرتا

تُو جو سورج کی طرح روز مقابل آتا
دل گلِ مہر کی صورت تجھے دیکھا کرتا

عکس اتنا بھی زبوں حال نہ تھا پہلے کبھی
بُجھ گیا آئینہ' کیا اِس کے علاوہ کرتا

دھوپ میں بیٹھا رہا بھیگے ہوئے پَر لے کر
تیرے درداب میں ڈوبا ہُوا دل کیا کرتا

میں نے ندّی کی طرح تجھ سے محبت کی ہے
اے سمندر! تُو کبھی میری تمنا کرتا

پھر وہی دل ہے وہی قصہ ء پارینہ ہے
شامِ غم ہے کہ کوئی ہمدمِ دیرینہ ہے

تُو نہ چاہے تو ترا عکس، نہ صورت، نہ شبیہ
ورنہ یہ چشم تو اک خانہ ء آئینہ ہے

رات بھر ایسے ستاروں کو گِنا کرتے ہیں
جیسے یہ حسرتِ ناکام کا تخمینہ ہے

نغمہ ء بادِ صبا کون سُنے آخرِ شب
شدّتِ درد سے یہ جان ہی سازینہ ہے

اوڑھ لیتے ہیں تری یاد کو ہر موسم میں
یہی چادر ہے ہماری یہی پشمینہ ہے

آج پھر ویسے ہی جھٹکے سے مری آنکھ کھلی
یہ وہی خوف، وہی دشمنِ دیرینہ ہے

اک جزیرہ ہے کہیں، اُس پہ ہے کوئی جنگل
دفن جنگل میں ہے جو، عشق وہ گنجینہ ہے

خواب ہی طالعِ بیدار ہے اِن آنکھوں کا
آسمانوں میں یہی نور کا اک زینہ ہے

سامنے اپنے کھڑے رہنا کسی بُت کی طرح
حیرتِ عشق ہے یا حیرتِ آئینہ ہے

کون کہتا ہے فقیروں کو خزانے دیجے
دُور ہٹ جائیے، بس دھوپ کو آنے دیجے

وقت کی شاخ سے ٹوٹے ہوئے گُل برگ ہیں ہم
دُور تک دوشِ ہَوا پر ہمیں جانے دیجے

سنگ بستہ تو نہیں منزلِ ماضی پہ یہ دل
اور غم دیجے اِسے اور زمانے دیجے

دائمی خواب ہے اور نیند نہیں ہے اَبدی
اِس مسافر کو کوئی اور ٹھکانے دیجے

ختم ہو جاتا ہے اک روز، کوئی رشتہ ہو
دل کا کیا حال ہے؟ اِس بات کو جانے دیجے

عکسِ مہتاب سے یہ خواب چمک اُٹھے گا
آبِ خاموش سے کائی تو ہٹانے دیجے

روز و شب اور نئے، آج کے آئینے میں
لیکن اِس دل کو وہی عکس پُرانے دیجے

یہ بدن خاک میں رکھ دیجیے آرام کے ساتھ
ایسے شعلے کو الاؤ میں سُلانے دیجے

کوئی امید یہاں آج زر افشاں سے نہیں
ہم کہ بیدار ابھی خوابِ پریشاں سے نہیں

شہر کو خطرۂ سیلاب لگا رہتا ہے
کوئی اندیشہ مگر دیدۂ گریاں سے نہیں

زیرِ جاں سہما ہُوا ہے کوئی لمحہ جیسے
زندگی آج رواں، گردشِ دوراں سے نہیں

رات آتی ہے، مگر نیند نہیں آتی ہے
صبح ہوتی ہے مگر تیرے شبستان سے نہیں

ہجر میں اپنا سراپا نہیں دیکھا جاتا
کچھ غرض ہم کو کسی آئینہ ساماں سے نہیں

دل کو اک یاد نے فانوس بنا رکھا ہے
روشنی تن پہ کسی شامِ چراغاں سے نہیں

لوگ کس واسطے آتے ہیں مسیحا بن کر
درد سے ہم کو سروکار ہے، درماں سے نہیں

ایک ساعت میں یہ منظر بھی بکھر جائے گا
وعدۂ موسمِ گل اور، گلستاں سے نہیں

ایک غم ہو جسے منسوبِ زمانہ کیجئے
اک سفر اور، مگر کوچہ ء جاناں سے نہیں

موسمِ گُل ہی نہیں، فصلِ خزاں ہاتھ میں ہے
عشرتِ وصل، ملالِ ہجراں ہاتھ میں ہے

وہ ستارہ اُتر آئے اگر اِس دل کے قریب
ایسا لگتا ہے خطِ کاہکشاں ہاتھ میں ہے

پھر کسی اور قیامت سے گُزرنا ہو گا
پھر سے اک اور محبت کا نشاں ہاتھ میں ہے

زندگی خواب نہیں، خواب نُما ہے، جس کی
کوئی تعبیر اگر ہے تو نہاں ہاتھ میں ہے

انتشارِ غمِ ہستی سے شکایت کیسی
اپنے ہونے کی تمنا بھی کہاں ہاتھ میں ہے

نبضِ آئینہ کبھی ہاتھ میں لے لیتے ہیں
اور سمجھتے ہیں کہ یہ سارا جہاں ہاتھ میں ہے

آسمانوں میں ہے جس راز کا مبہم نقشہ
کون مانے گا وہی راز عیاں ہاتھ میں ہے

پاؤں تک آنچ چلی جاتی ہے بیتابی کی
جبکہ وہ لمسِ گریزاں بھی کہاں ہاتھ میں ہے

بے یقینی تھی روا عشق میں، پر کیا کیجیے
اپنے تو کارِ جہاں میں بھی، گُماں ہاتھ میں ہے

ایک سسکی سی اُبھرتی ہے تہہِ آب یہاں
ایسا لگتا ہے کوئی شہر ہے غرقاب یہاں

ایک لَو اُٹھتی ہے اور دل کو مرے چاٹتی ہے
جیسے رکھّا ہے کوئی شعلہ ء بیتاب یہاں

دُور تک بکھرے ہوئے کانچ کے ٹکڑے جیسے
میرا اک خواب وہاں، تیرا کوئی خواب یہاں

دل میں رکھّی ہوئی اِس رنجشِ بے سُود کے ساتھ
ہم نے پایا کوئی سرچشمہ ء سیماب یہاں

رات بادل میں کُھلا در کوئی آہستہ سے
اور دبے پاؤں چلا آیا وہ مہتاب یہاں

جھیل میں گُھلتا ہُوا سایہ ء اشجار کا رنگ
جس طرح بہنے لگا ہے کوئی سبزاب یہاں

زندگی بھی کوئی صحرا کا سفر ہو جیسے
دُور تک ملتا نہیں خطہ ء شاداب یہاں

خواب افروز بہت نیند کی تاریکی ہے
رات کے ساتھ ہی کُھلتا ہے نیا باب یہاں

ایک اک راہ پہ قدموں کے نشاں ملتے ہیں
ہم سے پہلے بھی ہُوا کوئی جہاں تاب یہاں

پھر سے تجدید محبت کا تقاضا لے کر
کوئی آئے ترا پیغامِ تمنا لے کر

اپنے ہی جیسے تھے غم، اپنے ہی جیسی تھی خوشی
لوگ پہنچے تو سبھی شوقِ تماشا لے کر

چاند اُترے گا ابھی دل کے سیہ خانے میں
تُو بھی آ جائے اگر اپنا اُجالا لے کر

ایسی اُمید مسافر سے مسافر نہ رکھیں
جیسے اَبر آئے گا اِس دشت میں سایا لے کر

سب کو مِلتا ہے تو لیتے ہیں، مگر فرق یہ ہے
ہم نے کچھ اوٹ میں رکھّا غمِ دنیا لے کر

تیری آنکھوں کی طرح آئینہ بیگانہ ہُوا
اب کہاں جائیں یہ اُجڑا ہوا چہرا لے کر

دھوپ پھیلی ہے مرے صحن میں تنہائی کی
تُو کبھی آ بھی رفاقت کا اندھیرا لے کر

شوق انداز میں، سانسوں میں تمباکو کی مہک
جیسے آتی ہے ہَوا تیرا سراپا لے کر

لے گئی اپنی طرف کھینچ کے دنیا تجھ کو
اور ہم بیٹھے رہے صرف بھروسا لے کر

خود کو اب وقت کے دھارے پہ ذرا چھوڑتے ہیں
دیکھیے، جاتا ہے کس سمت یہ دریا لے کر

کب چراغوں کی ضرورت ہے ملاقاتوں میں
روشنی ہوتی ہے کچھ اور ہی ان راتوں میں

سر پہ جھکتا ہوا بادل ہے کہ اک یاد کوئی
اور بھی گہری ہوئی جاتی ہے برساتوں میں

ایک خوشبو سی کسی موسمِ نادیدہ کی
آخری چیز بچی عشق کی سوغاتوں میں

یہ جو بنتا ہے اُجڑتا ہے کسی خواب کے ساتھ
ہم نے اک شہر بسا رکھا ہے اِن ہاتھوں میں

نقش کچھ اور بنائے گئے سب چہروں پر
بھید کچھ اور چھپائے گئے سب ذاتوں میں

شاعری، خواب، محبت، ہیں پُرانے قصّے
کس لیے دل کو لگائے کوئی اِن باتوں میں

ہفت خواں یوں تو ملے عشق کے اِس رستے پر
ہجر ہی منزلِ مقصود ہوئی ساتوں میں

دست بردار ہوئے ہم تو تمنّاؤں سے
عمر گزری چلی جاتی تھی مناجاتوں میں

ایک چہرہ مرے منظر سے نکل جاتا ہے
دیکھتے دیکھتے پھر خواب بدل جاتا ہے

عشق تالی جو بجائے تو بہار آ جائے
یہ وہ جادو ہے جو موسم پہ بھی چل جاتا ہے

کوئی تو مجھ میں ترے غم کے علاوہ بھی ہے جو
ایک چھوٹی سی مسرّت کو مچل جاتا ہے

بند آنکھوں میں اُتر آتی ہے صورت اُس کی
یہ دِیا صرف تمنّا ہی سے جل جاتا ہے

راگنے لگتی ہے اک یاد مرے چاروں طرف
پھر تو ہر پَل اُسی آواز میں ڈھل جاتا ہے

دل کو ہلکی سی محبت کی حرارت بھی بہت
کوئی پتھر تو نہیں ہے سو پگھل جاتا ہے

کوئی رہتا ہے سدا نشۂ ناکامی میں
ڈگمگاتا ہے کوئی اور سنبھل جاتا ہے

کتنی ہی لمبی ہو تاریخ اندھیرے کی مگر
اک ستارہ خطِ تقدیر بدل جاتا ہے

کون اُترا ہے یہاں سایہ ء مہتاب کے ساتھ
شب دھڑک اُٹھی ہے جیسے دلِ بیتاب کے ساتھ

آرزو اُس نے کبھی میری طرح کی ہے اگر
پھر مرے خواب میں آئے وہ کسی خواب کے ساتھ

ہجر کی سمت یہ دل یونہی نہیں کھِنچتا ہے
کچھ تعلق تو ہے اِس قریہ ء شاداب کے ساتھ

یاد سی دل میں کہیں ایک پُرانے گھر کی
بیل سی لپٹی ہوئی اک خمِ محراب کے ساتھ

اُس دریچے سے جو تالاب نظر آتا تھا
رات کی رانی کھلی تھی اُسی تالاب کے ساتھ

میرؔ کو چاند میں اک شکل نظر آتی تھی
ہم تو آواز سُنیں جلوہ ء مہتاب کے ساتھ

گُلِ نرگس کی طرح سرد، پشیماں، خاموش
ایک اُمید رہی دیدہ ء بے خواب کے ساتھ

زندگی خاکِ نم آلود میں جاگی تھی جہاں
اب بھی نسبت ہے بدن کو اُسی زرداب کے ساتھ

ہم کو یہ بارگہِ غم بھی ہے معبد کی طرح
روز آتے ہیں یہاں اور ادب آداب کے ساتھ

پاؤں جمتے ہی نہیں اپنے زمینِ فن پر
ہم تو بہہ جاتے ہیں اِس شعر کے سیلاب کے ساتھ

ہم کسی چشمِ فسوں ساز میں رکھے ہوئے ہیں
خواب ہیں خواب کے انداز میں رکھے ہوئے ہیں

تابِ انجامِ محبت کی بھلا کیا لاتے
ناتواں دل وہیں آغاز میں رکھے ہوئے ہیں

جلتے جائیں گے ابھی اور چراغوں سے چراغ
جب تری انجمنِ ناز میں رکھے ہوئے ہیں

اے ہوا! اور خزاؤں کے علاوہ کیا ہے
وسوسے کیوں تری آواز میں رکھے ہوئے ہیں

اک ستارے کو تو میں صبح تلک لے آئی
بیشتر، رات کے آغاز میں رکھے ہوئے ہیں

وہ کٹے پر تو ہواؤں میں کہیں اُڑ بھی گئے
دل یہیں حسرتِ پرواز میں رکھے ہوئے ہیں

زندگی آج طلب گار ہے کچھ لمحوں کی
جو کسی چشمِ پُر اعجاز میں رکھے ہوئے ہیں

ہم تو ہیں آبِ زرِ عشق سے لکھے ہوئے حرف
بیش قیمت ہیں بہت راز میں رکھے ہوئے ہیں
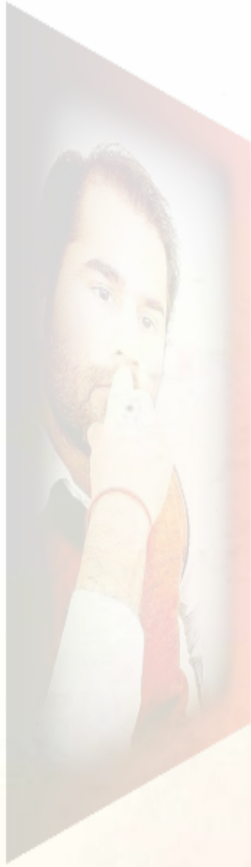
نور عجب تھا، رنگ عجب تھے
عالمِ عشق، پری خانہ تھا

ڈور کہیں تارا ٹوٹا تھا
سویا رستہ جاگ گیا تھا

سر پر تاج نہ دل میں نخوت
وہ کس دیس کا شہزادہ تھا

لہریں لیتے اُس پانی پر
شیشے کا اک فرش بچھا تھا

ایک کنارے پر میں ششدر
دوسری جانب تُو بیٹھا تھا

بیچ میں پھیلی ساری دنیا
تیرا میرا مِلنا کیا تھا

تیری آنکھیں کیوں بھیگی تھیں
ہجر تو میرے گھر اُترا تھا

دھوپ ہوئی تھی شہر سے رُخصت
اندھیارا اُمڈا آتا تھا

سرد ہوا کا بازو تھامے
چاند بہت خاموش کھڑا تھا

خواب کے اندر نیند بھری تھی
نیند کے دل میں خواب چُھپا تھا

آخر کو اک پھول سُنہرا
اُن ہونٹوں پر مُرجھایا تھا

دروازے پہ قُفل پڑا ہے
کون اِس پر دستک دیتا ہے

تنہائی ہے تیز ہَوا ہے
میرا غم سوکھا پتّا ہے

دُور تلک پھیلا یہ صحرا
کس کا رستہ دیکھ رہا ہے

رستے سے کچھ دُور بسی اک
تنہائی کی محل سرا ہے

تیری یاد وہاں بکھری تھی
میرا درد یہاں پھیلا ہے

پیچھے زخموں کا جنگل تھا
آگے خون کا اک دریا ہے

پھول خزاں میں مُرجھاتے ہیں
میرے دل کا پات ہرا ہے

چونک گئی ہوں، جیسے سچ مُچ
میرے پیچھے کوئی کھڑا ہے

لمس ترا نہ کہیں کھو جائے
مُٹھی کھولتے ڈر لگتا ہے

اب تو کسی کا آنا مشکل
آدھی رات ہے، سرد ہوا ہے

نیند میں کیسی نیند بھری تھی
آنکھ سے دل تک بے خبری تھی

سپنے میں اک شیش محل تھا
باغ کے اندر بارہ دری تھی

نیلا اُمبر کالا بَن تھا
پھول گلابی شاخ ہری تھی

میرا چہرہ اُن آنکھوں میں
خوش فہمی یا خوش نظری تھی

جیون کیسا رنگ بھرا تھا
دنیا کتنی بھاگ بھری تھی

خواب میں کون قریب آیا تھا
کس آہٹ سے نیند ڈری تھی

طشت میں تھا اک زہر کا پیالہ
ساتھ ہی اک تلوار دھری تھی

میرے دل میں اُس کا غم تھا
اُس کے جام میں لال پری تھی
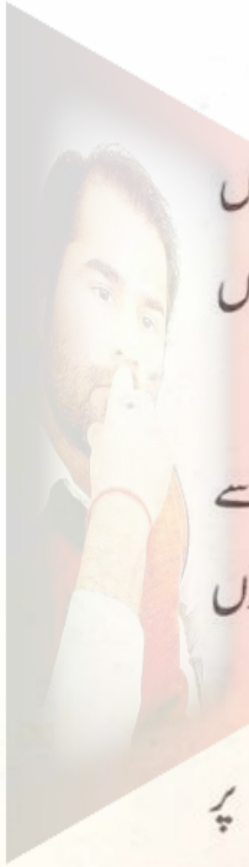
اپنے تن کو پوج رہی ہوں
میں تنہائی کی دیوی ہوں

تجھ کو کھو آئی ہوں جب سے
اپنے آپ کو ڈھونڈ رہی ہوں

دھوپ کی صورت دیواروں پر
آنگن آنگن پھیل گئی ہوں

بارش بن کر قطرہ قطرہ
آنکھ سے بادل کی برسی ہوں

گھاس پہ، پھولوں پر، پتوں پر
شبنم کی صُورت ٹپکی ہوں

خوابوں کے اک باغیچے میں
گہری رات کے ساتھ اُتری ہوں

جس دریا میں ڈوب گئی تھی
اُس دریا کے پار گئی ہوں

تن پر اک سایا جُھکتا ہے
بے حد ڈر کر جاگ اُٹھی ہوں

خود سے ملنے کو آنا تھا
آج بھی رستے میں بیٹھی ہوں

درد کی ہریالی ہے تن پر
سبز شجر یا سبز پری ہوں

ایک پرانی تنہائی ہے
جو دل سے ملنے آئی ہے

ویرانے میں اونگھتا مندر
یا یوگی یا سودائی ہے

ڈھونڈے سے آنسو نہیں ملتے
آنکھ میں تاریکی چھائی ہے

موسمِ گُل کی پامالی پر
خوشبو کیسی مُرجھائی ہے

کوئی تمنّا کی چنگاری
اک جھونکے نے سُلگائی ہے

خوشیوں کے نیلے پانی پر
اک گہرے غم کی کائی ہے

ایک محبت قصّوں والی
پھر اس دل نے دُہرائی ہے

خون میں اک دریا بہتا تھا
کس نے ریت سی پھیلائی ہے

وقت کے اِس منظر نامے میں
خواب کی محفل آرائی ہے

نیند میں جیسے ہم روتے تھے
خوابوں کے رستے بھیگے تھے

عشق کی اُس مینا کاری سے
دل پر کیسے نقش بنے تھے

تاریکی کے ایک شجر پر
روشنیوں کے پھول کھلے تھے

خاموشی پر کیا گزری تھی
جب دونوں دل بول اُٹھے تھے

لمس عجب تھا، اک شعلے سے
دونوں کے تن من بھڑکے تھے

تیرے دل کے سارے آنسو
میری آنکھوں میں اُترے تھے

کب مِلتا تھا اَبر کا سایا
دھوپ نے کیسے خواب بُنے تھے

گونگی دیواروں کا نوحہ
اندھے دروازے کہتے تھے

دھبّہ دھبّہ ایک کہانی
خون کے وہ قطرے لکھتے تھے

کیسے حال سُناتے دل کا
دونوں اشکوں میں ڈوبے تھے

❁

کیا رکھا ہے اِس رنجش میں
پھول سُلگتے ہیں بارش میں

چاندنی جیسا ایک محل تھا
دل رہتا ہے جس خواہش میں

شاخوں پر تارے مہکے تھے
باغ کِھلا تھا اُس تابش میں

اُڑتے تھے دو سبز پرندے
کاسنی پھولوں کی بارش میں

گہرے کُنج میں بھیگے بھیگے
دو تن، تن کی آسائش میں

جیسے سارا باغ تھا شامل
موسم کی گہری سازش میں

سارے خواب ہی صَرف ہوئے تھے
غم خانے کی آرائش میں

کوئی چکّر میں دنیا کے
کوئی رہا دل کی گردش میں

عشق بھی جامِ جم تھا جیسے
دُنیا دیکھی اک جُنبش میں

چھم چھم کرتی آ جاتی تھی
شاعری تھی یا کوئی پری تھی

دیواروں کے اک جنگل میں
خوشبو رستہ ڈھونڈ رہی تھی

عشق کے گہرے پاگل پن میں
دن رویا تھا، رات ہنسی تھی

پی ہو پی ہو پی ہو، کوئل
دل کے جنگل میں کوکی تھی

غم کے گہرے نیلے تَٹ پر
ایک گلابی ناؤ کھڑی تھی

باہر، شور مچاتی دنیا
گھر کے اندر خاموشی تھی

سناٹے کے اک زینے پر
گہرے وہم کی چاپ سُنی تھی

باہر کتنے سارے چہرے
اندر اک تصویر لگی تھی

کیسے اُس کا درشن ہوتا
میں تو دنیا میں اُلجھی تھی

جیون جیسی ایک دعا ہے
جس کو مانگا جا سکتا ہے

بے آباد گھروں میں پھیلا
ڈھلتی عمر کا سناٹا ہے

غم کی رات میں یہ خاموشی
رونے سے بھی بڑی سزا ہے

اوپر باسی پھول رکھے ہیں
قبر میں ایک دیا جلتا ہے

بیٹھے بیٹھے چونک گئی ہوں
کوئی پیچھے سے گزرا ہے

ہاتھ پہ لکھی ایک کہانی
ماتھے پر جس کی ریکھا ہے

رستے پر ہے پھول انوکھا
بادل کا اُس پر سایا ہے

بادل بھی اک پیڑ ہے جیسے
پریوں کا جس پر جُھولا ہے

نیند کی کجراری آنکھوں میں
وہ چمکیلا خواب رکھا ہے

دونوں سمت ہی جانا ہو گا
یہ جیون کا دوراہا ہے

آنکھوں میں ہے سناٹا پھر
بے خوابی کا وہ صحرا پھر

رُوٹھ گئی ہے پھر سے بارش
سُوکھ گیا ہے اک دریا پھر

پھر آیا وہ بھولا موسم
مایوسی کا پھول کِھلا پھر

اُلفت کے اِس بند مکاں میں
ہجر کا در کس نے کھولا پھر

وقت کے اِن کالے ہاتھوں نے
دیواروں پر کیا لکھا پھر

شہر تھا سارا دیکھا بھالا
وہ رستہ کیسے بُھولا پھر

پہلے کوندا سا اک لپکا
سایا سا کوئی گُزرا پھر

آنکھوں میں چھایا اندھیارا
پہلو میں اک درد اُٹھا پھر

کوئی محبت قصّوں والی
کوئی طلسمِ ہوش رُبا پھر

یا غم کی دستک ہے دل پر
یا نروان کا اک لمحہ پھر

بَن بوجھل ہے یوں خوشو سے
جیسے سویا ہو جادو سے

بیراگن ہے جیسے خوشبو
پیڑ بھی لگتے ہیں سادھو سے

میں ہوں، میں ہوں، میں ہوں، کوئی
کہتا رہتا ہے ہر سُو سے

میری آنکھوں سے تم رونا
دونوں کا رشتہ آنسو سے

موسم کے اِس پاگل پن میں
سارے خواب ہوئے آہُو سے

کافی ہے اتنا اُجیارا
رات ہنسی ہے اک جگنو سے

بارش تھی اور تیز ہَوا تھی
آنکھیں دُھندلی تھیں آنسو سے

جونہی میرا پاؤں پھسلا
اُس نے تھاما تھا بازو سے

تنہائی میں آ بیٹھی ہوں
اُٹھ کر اب اُس کے پہلو سے

رستے پر کیا خاموشی تھی
آہٹ بھی حیران ہوئی تھی

شہر کی کالی دیواروں پر
کس نے ویرانی لکھی تھی

پھیل رہے تھے کس کے آنسو
دن بھیگا تھا دھوپ بجھی تھی

پیچھے میری بے بس آنکھیں
آگے اک دیوار کھڑی تھی

جانے ساتھ ترا کیوں کھویا
میں نے کب مُٹھی کھولی تھی

پھول چلے تھے تیری جانب
خوشبو اُن کے ساتھ چلی تھی

گُل کے سُوکھے زرد لبوں پر
کیسی نم آلود ہنسی تھی

ساگر جیسی تھی یہ دنیا
جیون کی نیّا چھوٹی تھی

تیری نور بھری آنکھوں سے
میں دنیا کو دیکھ رہی تھی

ساری کہانی کہہ جاتی ہیں
آنکھیں بھی دل کی ساتھی ہیں

کہتے ہیں پورن ماشی میں
چشمے پر پریاں آتی ہیں

شہزادے ملنے نہیں آئے
یادیں کتنا تڑپاتی ہیں

برہا کا ایک گیت انوکھا
مل کر سب پریاں گاتی ہیں

گیت کو سُن کر سرد ہوائیں
غم کی بوندیں برساتی ہیں

کالا بادل جب گھِر آئے
چاند کی کرنیں گھبراتی ہیں

پھن پھیلا کر ناگنے والی
راتیں جاگتی رہ جاتی ہیں

صدیوں پر پھیلا یہ قصہ
ساعتیں کیسے دُہراتی ہیں

آنکھوں میں کس کا چہرا ہے
پلکوں تک پانی ٹھہرا ہے

ایک گھنا جنگل کاٹ آئے
آگے اک دریا گہرا ہے

کیا یہ نگری ہے جادو کی
کیا، جنّوں کا یہاں پہرا ہے

کیا سب لوگ ہی نابینا ہیں
کیا ہر شخص یہاں بہرا ہے

میں تو بس تب تک زندہ ہوں
جب تک سامنے وہ چہرا ہے

گوندا سا لپکا آنکھوں میں
شعلہ پانی میں لہرا ہے

خون سے بڑھ کر پیار کا بندھن
درد کا یہ رشتہ ٹھہرا ہے

میرا فن کیا، میرا ہنر کیا
تیرے غم کے سر سہرا ہے

ہجر میں کتنا گھبرائی ہوں
شام سے پہلے کجلائی ہوں

کاغذ پر اک پھول بنا کر
اُس کے ساتھ ہی مُرجھائی ہوں

ٹُوٹ گیا ہے اپنا چہرہ
آئینے سے ٹکرائی ہوں

باغ میں پت جھڑ آنے سے بھی
پہلے، کیسے زردائی ہوں

ساتھ ہمیشہ جو نہیں دیتی
خواہش کی وہ برنائی ہوں

اندر سمٹا ایک خلا اور
باہر پھیلی گہرائی ہوں

چھاؤں میں بیٹھی ہوں تنہا
سایا دھوپ میں چھوڑ آئی ہوں

دل کے ساتھ لگا رہتا ہے
غم کو کچھ ایسی بھائی ہوں

جیون جیسی ایک کہانی
کس کے لب سے دُہرائی ہوں

سورج چمکا تھا خوابوں پر
دھوپ جھکی تھی اِن پلکوں پر

گہرے سُرخ درختوں پر سے
پتے گرتے تھے رستوں پر

پھر گھل کر بارش ہوتی تھی
اِن چہروں پر اِن آنکھوں پر

کیسی گہری زرد اُداسی
چھائی رہتی تھی چہروں پر

سرد ہنسی کی نیلی چادر
اوڑھے رہتے تھے جسموں پر

کوئی دل کا بھید نہ پا لے
پھرتے تھے ویراں رستوں پر

دستک دیتی تھی حیرانی
بند گھروں کے دروازوں پر

ترسی ہوئی تھیں دشت کی آنکھیں
بادل برسا دریاؤں پر

اک لمحہ سہنا تھا مشکل
اور یہ غم پھیلا برسوں پر

دل میں ایک صنم خانہ تھا
افسانہ در افسانہ تھا

دشت کے اندر اک بستی تھی
شہر کے دل میں ویرانہ تھا

کوئی چراغ تھا جیسے سورج
بادل جیسے پروانہ تھا

کچھ نہیں اپنے واسطے مانگا
دل بھی کیسا دیوانہ تھا

کوئی کسی کے عشق میں پاگل
کوئی کسی سے بیگانہ تھا

خوشبو رستہ بھول گئی تھی
پھول کا بَن میں کاشانہ تھا

آنکھوں کی وحشت تھی اپنی
دل کا اپنا ویرانہ تھا

نور عجب تھا، رنگ عجب تھے
عالمِ عشق، پری خانہ تھا

لمس یہ تیرے ہونٹوں کا ہے
جیسے کوئی دیا جلتا ہے

کیسی انہونی کا ریشم
میری آنکھوں نے کاتا ہے

پچھلے ماہ کے طشت میں میرا
زرد سنہرا چاند رکھا ہے

تنہائی کا کالا جنگل
تیری بارش سے مہکا ہے

پھولوں کے برتن سے کس نے
خوشبو کا امرت چکھا ہے

شام کی ہلکی سبز ہنسی میں
ایک ستارہ جی اٹھا ہے

آنسو کا بھی رنگ ہے اپنا
آنکھ میں چمکے تو کُھلتا ہے

اندیشے اندازوں میں ڈھلتا
دل میں ایک یقیں بیٹھا ہے

رات بھی دن کے ساتھ اُتری تھی
ہم نے وہ دن بھی دیکھا ہے

مر کر بھی جیون رازوں کا
پردہ چاک نہیں ہوتا ہے

اپنی خاک اُڑانی ہو گی
جینے میں آسانی ہو گی

آخر کس کا سپنا دیکھے
آنکھ کو یہ حیرانی ہو گی

اک اُلجھن اِس گھر کے باہر
اک اندر سُلجھانی ہو گی

پھول کی اک تصویر بنا کر
خوشبو بھی پھیلانی ہو گی

خود کو بھی حیرت ہو جس پر
ایسی بات بنانی ہو گی

تیری، میری، اِس دنیا کی
سب کی ایک کہانی ہو گی

تُو بدلا تو غم سے بڑھ کر
اِس دل کو حیرانی ہو گی

تنہا جب گھر لَوٹوں گی میں
رستوں پر ویرانی ہو گی

کب دل دنیا جیسا ہو گا
کب اک یاد پُرانی ہو گی

اک غم کی پردہ پوشی میں
عمر گزاری خاموشی میں

پھر سے میرا نام لیا ہے
کس نے ہلکی سرگوشی میں

ڈوب رہا ہے سارا عالم
ہونے کی اِس مدہوشی میں

جام میں خون بھرا ہے میرا
وہ مصروف ہے مے نوشی میں

آئینے میں چُھپ جاتی ہوں
لُطف عجب ہے رُو پوشی میں

ایک نئے آغاز کی لَو تھی
شام کی پہلی سرگوشی میں

بات عیاں تھی خاموشی سے
بات نہاں تھی خاموشی میں

دل نے پوری رات گذاری
اُس غم سے ہم آغوشی میں

آنکھوں میں ایک خواب چُھپا کر
دنیا دیکھی بے ہوشی میں
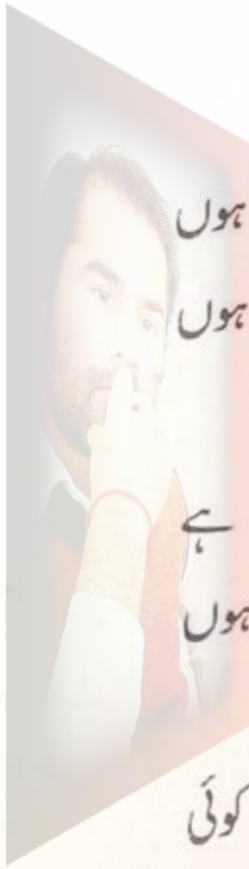
یا تصویر ہوں یا حیراں ہوں
میں دیوار پہ آویزاں ہوں

کیوں مجھ کو تکتا رہتا ہے
میں آئینے سے نالاں ہوں

میں ہوں یا مجھ جیسا کوئی
جس کے کھوج میں سرگرداں ہوں

دُور اُفق پر ایک ستارہ
دُور زمیں پر میں ویراں ہوں

کوئی سفر میں ساتھ نہیں ہے
بادل کی صورت گریاں ہوں

درد کے برفیلے موسم میں
کوئی خیالِ تابستاں ہوں

دھوپ میں بادل کا اک ٹکڑا
صحرا میں اک نخلستاں ہوں

راتوں کا اندھیارا ہوں میں
اور تاریکی میں سوزاں ہوں

چُھپ جاتا ہے خواب کا چہرہ
نیند میں اب تک سرگرداں ہوں

باغ ہوں خوابِ وصل کا میں ہی
میں خود ہی نخلِ ہجراں ہوں
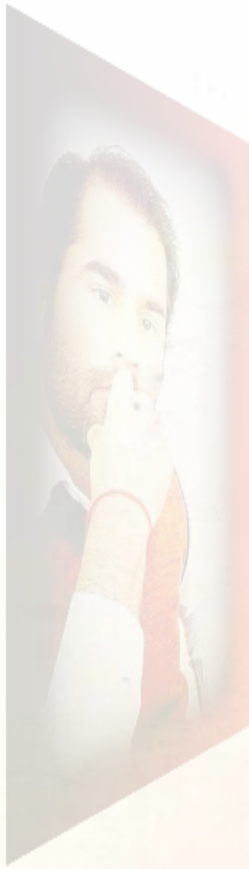
سرابِ ہجر میں ہے، قریہ ء وصال میں ہے
ابھی وہ شکل پری خانہ ء خیال میں ہے

فضائے شہرِ محبت بدلنے والی ہے
دلِ تباہ کی قسمت بدلنے والی ہے

بدلنے والی ہے اب سے ردائے لالہ و گُل
ہوائے دشت کی نیت بدلنے والی ہے

پھر ایک جلوہ ء صد رنگ کے تسلسل میں
نگاہِ آئینہ، حیرت بدلنے والی ہے

بس ایک بار تجھے ہم قریبِ جاں دیکھیں!
پلٹ کے دیکھ' یہ حسرت بدلنے والی ہے

کہیں پہ نیم اُجالا کہیں پہ تاریکی
شبِ ملال کی صُورت بدلنے والی ہے

قمر نے ایک نئے بُرج میں قدم رکھا
زمیں پہ ہجر کی ساعت بدلنے والی ہے

فسونِ مرگ میں ہے زندگی کئی دن سے
سو اپنا جامہ ء وحشت بدلنے والی ہے

ہمیں تو عشق نے ہجر و وصال میں رکھا
سُنا ہے وجہِ رفاقت بدلنے والی ہے

خبر ہوئی کہ ہے دل ہی نگار خانہ ء حُسن
نظر کی سمتِ مسافت بدلنے والی ہے

نئی صدی ہے اور اِس کے نئے تقاضے ہیں
ہر آدمی کی ضرورت بدلنے والی ہے

عجب گلاب کھلا ہے کہیں گلابوں میں
مہک رہا ہے کوئی باغ میرے خوابوں میں

نگاہِ شوق سے آگے بھی کوئی بات چلے
یہ رات بیت نہ جائے کہیں حجابوں میں

وہ باغِ سبز، وہ دریا، وہ شہر کے آثار
عجب مناظرِ خوش رنگ تھے سرابوں میں

اُلٹ گیا تھا ورق ہی ہوا کا اک جھونکا
وہ نام پھر نہ ملا یاد کی کتابوں میں

کرن نے جھانک کے دیکھا ہے ایک روزن سے
تمام ذرّے بدلتے ہیں آفتابوں میں

ہوائے شام جہاں تھوڑی دیر رُکتی ہے
دیارِ دل بھی ہے شامل اُنہیں خرابوں میں

ہے بزمِ ناز میں اِس طرح وہ پری زادہ
ہو آفتاب کوئی جیسے ماہتابوں میں

یہ کاروبارِ تمنّا سنبھل کے کیجیئے گا
وگرنہ عمر گزر جائے گی حسابوں میں

چراغِ بام تو ہو چشمِ انتظار تو ہو
مگر ہمیں ترے آنے کا اعتبار تو ہو

کسی کی دید تو ہو، نیند کا سَراب سہی
خدائے خواب! ہمیں اتنا اختیار تو ہو

کھلیں گے ہم بھی برنگِ گل و بسانِ شرر
ترے نگر میں چراغاں تو ہو، بہار تو ہو

وہ اَبر ہے تو کسی خاکنائے پر برسے
جو خاک ہے تو کسی راہ کا غبار تو ہو

ہَوا کے ساتھ ہی آئے ہَوا کے ساتھ ہی جائے
پر ایک رشتہ ء جاں اُس سے اُستوار تو ہو

جو زندگی کی طرح سامنے رہا ہر دم
وہ راز اپنی نگاہوں پہ آشکار تو ہو

ہے جس کا وِردِ شب و روز کے وظیفے میں
دُرِ وفا تری تسبیح میں شمار تو ہو

یہ کیا، وہ سامنے ہو اور دل یقیں نہ کرے
نگاہِ خواب پہ تھوڑا سا اعتبار تو ہو

تمام عمر ستاروں کے ساتھ چلتے رہیں
فلک پہ ایسا کوئی خطِ رہگزار تو ہو

بہت گداز ہے دل رنج کی حرارت سے
نہ چھیڑ آج اسے نشترِ ملامت سے

فلک پہ ایک ستارہ ابھی ہے خوابیدہ
زمیں پہ ہار گئے لوگ اِس مسافت سے

پلٹ کر آئے گا پھر سے وصال کا موسم
وداع ہو کے جُدائی کی ایک ساعت سے

وہ آگ جس سے بچایا تھا تارِ ہستی کو
بھڑک رہی ہے رگِ جاں میں خوں کی حدّت سے

ہر اک کو اپنا پتہ خود بتائے گی خوشبو
یہ سادہ دل بھی ہے مجبور اپنی عادت سے

اُس ایک یاد سے دل آج تک دھڑکتا ہے
کسی نے دیکھ لیا تھا کبھی محبت سے

ہم ایک اور زمانے میں آ گئے اُٹھ کر
کسی کتاب میں لکھّی ہوئی حکایت سے

کہاں کا وصل کہ اب لوگ دیکھتے ہیں یہاں
عروسِ خواب کا چہرہ بھی اک ندامت سے

کسی نے دھیرے سے چُھو کر جگا دیا مجھ کو
وہ نیند ٹوٹ گئی پھر طلب کی شدّت سے

بیا بیا ز خراباتِ صبح یک بارے
میں باغِ شب میں تری منتظر ہوں مدّت سے

ہوائے یاد نے ایسے ستم کیے اُس شب
ہم ایسے ہجر کے عادی بھی رو دیے اُس شب

فلک سے بوندیں ستاروں کی طرح گِرتی ہوئی
بہک رہی تھی وہ شب جیسے بے پیے اُس شب

بھڑکتے جاتے تھے منظر بناتے جاتے تھے
ہَوا کے سامنے رکھے ہوئے دیے اُس شب

عجب تھے ہم بھی کہ دیوارِ نااُمیدی میں
دریچہ کھول دیا تھا ترے لئے اُس شب

چراغِ بام نہ تھے شمعِ رہگزار نہ تھے
مگر وہ دل کہ مسلسل جلا کیے اُس شب

وہ چاک چاک تمنّا وہ زخم زخم بدن
تری نگاہِ دلآرام نے سیے اُس شب

خبر ہوئی کہ جلاتا ہے کس طرح پانی
وہ اشک شعلوں کے مانند ہی پیے اُس شب

وہ شب کہ جس کے تصور سے جان جاتی تھی
نجانے صبح تلک کس طرح جیے اُس شب

کسی کو ترک کسی کو شمار کرتے رہے
ہمیشہ رشتہ ء نو اُستوار کرتے رہے

سَحر کی چاپ مگر رات بھر نہیں آئی
دیے جلاتے رہے انتظار کرتے رہے

قریب تھا کوئی دریائے خود فراموشی
سفینہ ء غمِ دوراں میں پار کرتے رہے

خزاں کے داغ چُھپائے ہوئے نگاہوں میں
فروغِ انجمنِ نو بہار کرتے رہے

یہ زندگی بھی کہاں کوہ و دشت سے کم تھی
اِسے قدم بہ قدم رہگزار کرتے رہے

گِھرے ہوئے تھے پرندے اُداس موسم میں
نئی زمیں کا سفر اختیار کرتے رہے

عجیب لوگ تھے آنکھیں سجائے چہروں پر
فریب خانہ ء دنیا سے پیار کرتے رہے

کُریدتے ہی رہے زخمِ آشنائی کو
شکوں سے صرفِ نظر بار بار کرتے رہے

دِلوں کی آگ جب آنکھوں تلک نہیں پہنچی
کس انقلاب کا ہم انتظار کرتے رہے

اب اِس سے کم تو کہیں عشق کی مثال نہیں
شکستِ جاں سے گزرنا کوئی کمال نہیں

ابھی نہ آئینۂ ماہتاب سامنے ہو
شبِ فراق کا چہرہ ابھی بحال نہیں

شبانہ روز تری سمت کر چکے ہیں سفر
خدائے وقت! اب اِن بے بسوں کو ٹال نہیں

بس ایک راہگذر، خطِ کہکشاں جیسا
نظر میں کوچہ ء خوش، قریہ ء جمال نہیں

سُلگ رہے ہیں شجر بارشوں کی خوشبو میں
اب اختیار میں یہ آتشِ وصال نہیں

پڑا رہے ترے رستے میں سنگ کی صُورت
دلِ تباہ ابھی اتنا پائمال نہیں

جو لوگ اُس کی گلی کا طواف کرتے ہیں
وہ صیدِ غم ہیں کوئی طالبِ جمال نہیں

ہمیں بھی زخمِ محبت عزیز ہیں اپنے
سو دل پہ داغ تو ہیں، داغِ اندمال نہیں

زمیں پہ رینگ رہے ہیں یہ طالبِ دُنیا
کسی کو حرمتِ جاں کا کوئی خیال نہیں

وہ چاند ڈوب گیا، شب نہیں رہی ویسی
یہ زندگی کی فضا اب نہیں رہی ویسی

چلا تو جائے کوئی آسماں کی منزل تک
صدائے انجم و کوکب نہیں رہی ویسی

اِدھر کا قصد کیا ہے سحابِ وصل نے آج
یہ سرزمینِ بدن جب نہیں رہی ویسی

بدلتے وقت نے بدلی ہے عشق کی فطرت
کہیں کہیں ہے وہی، سب نہیں رہی ویسی

ہَوا گزرتی ہے سو بار اور ہر اک بار
یہ دیکھتی ہے رہِ شب نہیں رہی ویسی

کہاں ہے خاص، جو شے اک ہجوم کو مِل جائے
سو قدرِ خلعت و منصب نہیں رہی ویسی

چلو وہ مہر و وفا جھوٹی داستاں ہی سہی
وہ داستاں بھی مگر اب نہیں رہی ویسی

دعا میں غم تھا کہ شدت تھی، اشک تھے کہ خلوص
جو اصل چیز تھی یارب! نہیں رہی ویسی

کبھی وہ سامنے آئے نظر ملے تو سہی
رہے وہ دل سے مرے بے خبر، ملے تو سہی

ورائے جاں بھی وہی ریگ زار پھیلا ہے
نہ باغ و راغ ملیں اک شجر ملے تو سہی

خیالِ منزلِ بے سُود چھوڑ سکتے ہیں
رہِ سفر میں کوئی ہم سفر ملے تو سہی

وہ کہہ رہے ہیں کسی روز میہماں ہوں گے،
جو میزباں ہیں اُنہیں اپنا گھر ملے تو سہی

عجیب رنگِ فلک تھا عجب ہَوا کا مزاج
سو ایک بار ہمیں بال و پر مِلے تو سہی

وہ شکل جس کو لڑکپن میں دل نے چاہا تھا
بس ایک پَل کو کسی موڑ پر مِلے تو سہی

فصیلِ ذات اُٹھی ہے بدن کے چاروں طرف
قدم بڑھاؤں تری سمت، در مِلے تو سہی

یہ کون لوگ ہیں، ہم جن کے بیچ رہتے ہیں
فرشتہ کوئی نہ ہو پر بشر مِلے تو سہی

یہ شہر، دشت میں جاکر بھٹک گیا ہے کہیں
پلٹ بھی آئے، کوئی رہگزر مِلے تو سہی

پھر اُس کے بعد یہ دل سنگ میں بدل جائے
وہ ایک چشمِ فسوں گر، مگر مِلے تو سہی

کچھ اجنبی سی صداؤں سے بات کی ہم نے
جب ایک شام ہواؤں سے بات کی ہم نے

اُنھیں بتایا پتہ آسمان والے کا
زمیں کے سارے خداؤں سے بات کی ہم نے

تھے اپنے خواب کے اک داستاں سرا ہم بھی
نگر کے خواب سراؤں سے بات کی ہم نے

سہارا کوئی نہ تھا دھوپ میں رفیقوں کا
سو ایک پیڑ کی چھاؤں سے بات کی ہم نے

دوبارہ اِس دلِ مایوس میں اُترنے کو
پلٹ کر آتی دُعاؤں سے بات کی ہم نے

سفر کے بعد ضروری ہے ایک منزل بھی!
چنانچہ راہنماؤں سے بات کی ہم نے

جدھر ذرا سا گماں تھا تمہارے ہونے کا
اُدھر سے آتی ہواؤں سے بات کی ہم نے

ہم اپنی خامشی سب کو کہاں سُناتے ہیں
یہی بہت ہے خلاؤں سے بات کی ہم نے

سب اپنے طالعِ بیدار کی تلاش میں تھے
جہاں کے بخت رساؤں سے بات کی ہم نے

یہ اہلِ عشق بھی کیا خاک سے بنے ہوں گے؟
عجیب شعلہ نواؤں سے بات کی ہم نے!

مہ و ستارہ کے احساں کہاں اُٹھائے گئے
ہم اپنی خاک کے اندر ہی جگمگائے گئے

سرائے خانۂ دنیا میں آنے والوں کو
ورائے منزلِ جاں راستے دِکھائے گئے

بہار دیکھی گئی خوابِ نو شگفتہ میں
اک آرزو سے کئی گلستاں سجائے گئے

بہت نمایاں پھر ایک آفتاب رکھا گیا
اِدھر اُدھر سے نشاناتِ شب مِٹائے گئے

سوادِ شہرِ وفا میں بھٹکتے پھرتے ہیں
جو لوگ عرصہ ء اُلفت میں آزمائے گئے

رُکا ہوا ہے وہیں پر وہ نجمِ راہ فروز
جہاں سے ہو کے کبھی تیرگی کے سائے گئے

چمن میں جب بھی خوشبو کی اصل جانتے تھے
تو سادھوؤں کی طرح پھول مسکرائے گئے

بہت ہی دُور سے آیا اگرچہ ابرِ وصال
یہ جسم آتشِ اُمیّد میں جلائے گئے

ابھی ابھی کسی خورشید تن کا حصّہ تھی
کرن کہ جس سے کئی رنگ جگمگائے گئے

بُجھا ہُوا تھا، ہُوا آج پارہ پارہ بھی
یہ دل چراغ تھا اپنا، یہی ستارہ بھی

سو تم نے ہجر کا عنوان دے دیا اِس کو
اگرچہ قصّہ تمہارا بھی تھا ہمارا بھی

گھِرا ہُوا ہے کئی روز سے جو ابرِ خزاں
بہت اُداس ہے اور لگ رہا ہے پیارا بھی

سفر کٹتا ہے کبھی آسماں کو تکنے سے
مسافروں کو مگر چاہیۓ سہارا بھی

سوائے عشق بھلا کیا اِسے کہا جائے
یہی ہے اصل، یہی لفظ استعارہ بھی

بہت مگن تھا کوئی کاروبارِ دنیا میں
نواحِ خواب سے ہم نے اُسے پُکارا بھی

دوبارہ اُن کو پر و بال مِل تو سکتے ہیں
پرند پائیں جو پرواز کا وہ یارا بھی

دل و نگاہ ابھی خوابنائے میں گم ہیں
اُبھر کے آئیں تو مِل جائے گا کنارہ بھی

زمیں سُکڑنے لگی نشریاتی رابطوں سے
عجب ہے کیا جو پتہ مِل سکے تمہارا بھی

وہ حُکم دے تو مقدّر بدل بھی سکتے ہیں
پر اُس کی سمت سے ہوتا نہیں اشارہ بھی

سرابِ ہجر میں ہے قریہء وصال میں ہے
ابھی وہ شکل پری خانہء خیال میں ہے

بہت ہیں اور طرح دار بھی مگر اُن میں
کہاں وہ بات جو میرے مہِ جمال میں ہے

قمر سے کم تو نہیں ہیں مہِ وصال کے رنگ
حسیں عروج میں ہے، دلنشیں زوال میں ہے

عجب ہیں ذائقے سارے اور اُس پہ ہے باقی
اک اور لطفِ محبت جو ضبطِ حال میں ہے

نہیں جہاں میں کہیں بھی، مگر وہ آدم زاد
ہمارے دل میں ہے اور اپنی ہی مثال میں ہے

کِھلا ہُوا تھا کسی پھول کی طرح دل پر
جو زخم آج بہت کربِ اندمال میں ہے

لِپٹ رہی ہے ہر اک آنے جانے والے سے
بچھڑ کے پھول سے خوشبو عجیب حال میں ہے

پلٹ کے جا بھی چُکا وہ سحابِ نیلم رنگ
زمینِ سبز ابھی نشّہء وصال میں ہے

کمی جو فن میں نہ ہو آدمی خدا بن جائے
کمالِ حُسن فقط خواہشِ کمال میں ہے

دمک رہا ہے جہاں صبح تاب ہونے پر
غرور ہم کو رہا محوِ خواب ہونے پر

یہ خاک ازل سے ہی خوشبو کا خواب دیکھتی تھی
سو عِطر بیز بہت ہے گلاب ہونے پر

گذرتے جاتے ہیں سائے جو ابر پاروں کے
برسنے والے ہیں اک دن سحاب ہونے پر

یہ میرے حرف، مرے دل کے پہلے پہلے رفیق
کچھ اجنبی سے لگے ہیں کتاب ہونے پر

پھر اُن کو منزلِ خوش رنگ نے صدا ہی نہ دی
جو لوٹ آئے تھے رستہ خراب ہونے پر

تمام آئینے سورج کے رُخ پہ رکھے تھے
کوئی گماں ہی نہ تھا آب و تاب ہونے پر

یہ سوچتے ہیں نہ تم کو کہیں ندامت ہو
محبتوں میں زیاں کا حساب ہونے پر

خود اپنے آپ پہ نازاں و نازبیں نرگس
میں خوش نہیں ہوں گلِ آفتاب ہونے پر

نہیں ہے شاعری دادِ کمالِ فن کے لیے
یہ بند باندھ دیا دردِ موجزن کے لیے

وہ آرزو نہ تماشا بنے گی دنیا میں
سنبھال رکھی ہے بس پرتوِ سخن کے لیے

چراغ بن کے کسی شاخ پر کھلے تو سہی
بہت ہے روشنی اک پھول کی، چمن کے لیے

وہ بے خبر تھا اگر میرے دل سے اِس درجہ
تو کیا وہ رنج سہے رشتۂ بدن کے لیے

سمٹ کے بنتے گئے آشیاں پرندے کا
ہَوا کے واسطے تنکے تھے، خار بَن کے لئے

چلو وہ مہرِ منوّر سہی مگر اُس کو
زمیں پر آنا پڑے گا کسی کرن کے لیے

یہاں پہ کوئی نہ تھا صورت آشنا اپنا
ہم آئینہ تو بنے تیری انجمن کے لیے

پلٹ کے جاتی ہَوا آج بھی دریچے میں
رُکی ہوئی ہے کسی شاخِ یاسمن کے لئے

تمام عمر رہی میری نیند سرگرداں
بس ایک خوابِ محبت کے بانکپن کے لیے

یہ بزم اپنی خوشی کے لئے سجائی گئی
نہ اہلِ ذوق کی خاطر، نہ اہلِ فن کے لئے

جبیں کو چاند، لبوں کو گُلاب کرتے رہے
شبِ فراق کو لیلائے خواب کرتے رہے

ہم اپنے آپ کو کرتے رہے نظر انداز
زمانے بھر میں تجھے انتخاب کرتے رہے

طویل چُپ سے بہت تھک گئے تھے سب اشجار
ہَوا سے یونہی سوال و جواب کرتے رہے

زمینِ خواب! سجا کر تجھے ستاروں سے
فلک مثال تری آب و تاب کرتے رہے

فتادگانِ زمیں پر یہ کیسا وقت اُترا
نفس نَفس کا ہر اک پَل حساب کرتے رہے

چلا کے لائے یہاں تک ہمیں قدم بہ قدم
ستم کے ساتھ کرم بھی سَراب کرتے رہے

خوشی منائی گھروں میں چراغ والوں نے
ہم انتظارِ شبِ ماہتاب کرتے رہے

مِلا بھی کیا ہمیں دنیا سے دشمنی کر کے
یہی کہ اپنا مقدر خراب کرتے رہے

میں روک پائی نہیں روشنی کے دھارے کو
جو چھو رہا تھا مرے خواب کے کنارے کو

سپہرِ شب میں چلے آ رہے ہیں سب تارے
مری زمین! ترے حسن کے نظارے کو

دمک رہا ہے کوئی پھول گلشنِ جاں میں
بہار لوریاں دیتی ہے اپنے پیارے کو

یہ بحرِ عشق ہے اور اِس کے پار اُتر جانا
کہاں نصیب کسی عافیت کے مارے کو

لگا، چراغ کوئی جل گیا ہتھیلی پر
یہ ہاتھ تھام لیا اُس نے جب سہارے کو

چمن میں آج کسی سَرو قد کی آمد ہے
اُٹھا رہے ہیں شجر انگلیاں اشارے کو

ہے فتنہ خیز یہ خواہش مگر دلِ سادہ
تڑپ رہا ہے ذرا سے کسی اشارے کو

سوادِ شہر میں پھیلی ہوئی ہے تاریکی
کوئی چراغ کوئی دل نہیں سہارے کو

بہت دنوں سے ترائی پہ دھوپ پھیلی تھی
ہوائیں گھیر کے لے آئیں ابر پارے کو

گریز پا ہے مگر آسماں کی رونق ہے
مرے نصیب نے ڈھونڈا ہے جس ستارے کو

چراغ، رات کی آنکھوں میں بند رہتے ہیں
بس اپنے ساتھ ہی ہم خود پسند رہتے ہیں

فلک کو ناز ہے اپنے مہ و ستارہ پر
تو اِس زمیں پہ بھی مہتاب چند رہتے ہیں

عجیب لوگ ہیں کُھلتے نہیں ہیں خود پر بھی
عجیب در ہیں جو دن میں بھی بند رہتے ہیں

نواحِ شام میں آہستہ چل رہی ہے ہَوا
کہ اِس دیار میں کچھ درد مند رہتے ہیں

یہ آرزوئیں ہیں یا ڈوبتے ہوؤں کے ہاتھ
سَروں کے بعد بھی اکثر بلند رہتے ہیں

ابھی وہ نجمِ سَحر جاگنے نہیں پایا'
سو ہم بھی نیند کے حجرے میں بند رہتے ہیں

رواج و رسم پہ اہلِ چمن کے تبصرہ کیا؟
جو پھول جانتے ہیں' زہر خند رہتے ہیں

فضا بھی زیرِ نگیں ہے، ہَوا بھی اپنی اسیر
شکوہِ خواب سے ہم سر بلند رہتے ہیں

نشان ہم کو ملے شب کے رہگزاروں کا
گیا ہے جن پہ ابھی کارواں ستاروں کا

یہ گُل سُلگنے لگے ہیں فراقِ خوشبو میں
ہَوا پہ کُھلتا نہیں حال بیقراروں کا

یہ خواب کب سے کسی چشم کی تلاش میں تھا
بنا ہُوا ہے جو محبوب اب ہزاروں کا

ہَوائیں کتنے ہی قریوں سے ہو کے لَوٹ آئیں
رُکا ہوا ہے کہاں قافلہ بہاروں کا

پری مثال ہیں کچھ لوگ اور سارا سماں
ہے قاف جیسا مرے خواب کے نظاروں کا

بہت عجیب تھا دریائے خود فراموشی
خیال تک نہیں آیا کبھی کناروں کا

سبھی کو اپنی صلیبیں اُٹھانی پڑتی ہیں
طلسم ٹوٹنے والا ہے اب سہاروں کا

فلک! وہ لوگ بہت سیر چشمِ دنیا ہیں
سمجھ رہے ہیں جو مطلب ترے اشاروں کا

مدارِ آئینہ تھا عکسِ خواب ہونے پر
وہ خواب ٹوٹ گیا بے حجاب ہونے پر

پھر ایک دشتِ رفاقت ہے پاؤں کے آگے
اور اختتام ہے اِس کا سَراب ہونے پر

زمیں سے ٹوٹ کے پایا ہے ذوقِ یکتائی
چمک رہا ہے بہت ماہتاب ہونے پر

جمی ہوئی ہے وہیں ایک فتنہ زا خواہش
ہے سنگ بستہ جہاں دل، عذاب ہونے پر

وہ خوابِ زرد جو زنگارِ شب سے نکلا ہے
چمک سکے گا کہاں صبح تاب ہونے پر

پھر ایک روز دعا لَوٹ کر نہیں آئی
ہم اُس کے پاس گئے، باریاب ہونے پر

اور اب وہ گہر کرن کی طرح دمکتا ہے
جو ناشگفتہ رہا زیرِ آب ہونے پر

ہیں معتبر جو یہ کچھ نام اور کچھ چہرے
کُھلیں گے راز کبھی احتساب ہونے پر

تمام دولتِ دنیا تو آنی جانی ہے
یہ حرف ہے جو مری ہست کی نشانی ہے

فسانہ دھوپ کا دلچسپ ہی سہی لیکن
بہت قدیم ہے جو سائے کی کہانی ہے

دل و نگاہ میں طوفان سا بپا ہے کیوں
نمودِ اشک ہے کیا، ایک بوند پانی ہے

اب ایک ہاتھ پر اُس لمسِ سرد کی خُنکی
اور ایک ہاتھ میں احساسِ رائیگانی ہے

اک اور عمر ملے تب ہو صورتِ تکمیل
اُس آرزو کی جو اک عمر سے پُرانی ہے

خوشی تو خیر مقدر کی بات ہے لیکن
ترے خیال سے ہلکی سی شادمانی، ہے

سفر چُھپا ہے مری چشمِ ہفت پردہ میں
قدم اُٹھے ہیں جدھر، راہ ہفت خوانی ہے

پلٹ کے ہم نے تو جلتے ہوئے ستاروں سے
زمینِ خاکی و آبی کی قدر جانی ہے

سُنی ہے دل کی تو اکثر زیاں اُٹھائے ہیں
زیاں اُٹھائے ہیں اور دل کی بات مانی ہے

نظر پہ کُھلنے لگا ہے طلسمِ ہو شرُبا
محبتوں کی فضا اب بھی داستانی ہے
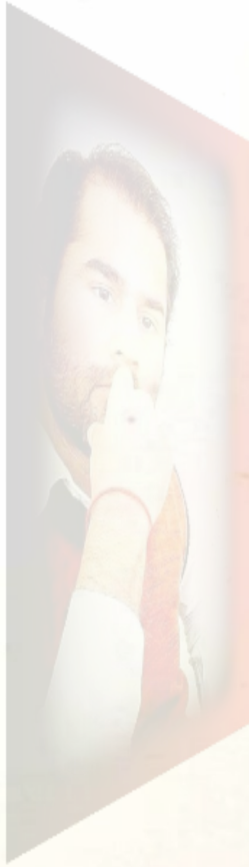
سحرِ جمال میں رہے، ایک خیال میں رہے
شیشہ ء دل میں آج تک، جیسے کوئی پری رہی

عمر کے بعد اس طرح دید بھی ہوگی بات بھی
تُو بھی قریبِ جاں ہے آج' بھیگ رہی ہے رات بھی

دل میں ہے اک محل سرا اُس میں لگا ہے آئینہ
عکس ہے اُس میں غیر کا' عکس میں اپنی ذات بھی

خواب میں تیری دید سے اس طرح روشنی ہوئی
نور سے بھر گیا تمام حجلہ ء کائنات بھی

ایک خیال کے طُفیل ایک وصال کے سبب
روز تو روزِ عید تھا' شب تھی شب برات بھی

سارے جہاں کے سامنے ایسے رہے ہیں سر بلند
دل میں تھا ایک رنج بھی، ہاتھ میں ایک ہاتھ بھی

سرد ہوئی ہے خون میں آتشِ وصل جس طرح
بُجھ کے رہے گا ہجر کا شعلہ ء بے ثبات بھی

اپنا بنا لیا ہمیں، ہم سے جُدا کِیا ہمیں
جیت کے ساتھ دے گیا ایک طرح کی مات بھی

اب جو نہیں رہی ہے وہ فرصتِ کاروبارِ زیست
پہلے سے کب رہے بھلا دل کے معاملات بھی

منزلِ خواب کیا ملے، ملتی نہیں ہے راہ تک
جادوئے شام سے چلے، آئے طلسمِ ماہ تک

ایک سپیدۂ سحر ایک گلابی شام کی
بھیج دیے ہیں اپنے رنگ ہم نے تری نگاہ تک

کیسے صدا لگائیے کیسے قدم بڑھائیے
کُھلتی نہیں جب آنکھ تک، اُٹھتی نہیں جب آہ تک

ایک نظر کے واسطے پھول کِھلا دیے گئے
خواب سجا دیے گئے عشق کی بارگاہ تک

دل کی طرف نہ جائیے، آنکھ میں کیجئے قیام
لائے ہیں میزباں ابھی قریہ ء کم تباہ تک

شوق و مُراد کا سفر تھا مرے خواب تک مگر
راستہ دے دیا گیا، ہجر کو خواب گاہ تک

دُور کہیں وہ روشنی جیسے چمک کے بُجھ گئی
بڑھتے چلے گئے قدم راہِ شبِ سیاہ تک

آپ کا اِس میں دوش کیا ہم ہی نہیں ہیں ارج مند
خاک پہ ہم کو چھوڑیے، جائیے مہر و ماہ تک

گُلفتِ جاں سے دُور دُور رنج و ملال سے جُدا
ہم نے تجھے رکھا ہر ایک صورتِ حال سے جُدا

آج نگاہ اور تھی اور نگاہِ سرد میں
ایک جواب اور تھا میرے سوال سے جُدا

شام اُداس، پھول زرد، شمع خموش، دل حزیں
کوئی رہا تھا تھوڑی دیر بزمِ جمال سے جُدا

ہم میں بھی کوئی رنگ ہو ذوقِ نظر کے ساتھ ساتھ
تم میں بھی کوئی بات ہو شوقِ وصال سے جُدا

تم کو نہ کچھ خبر ہوئی آمد و رفتِ ہجر کی
خانہ ء عشق میں رہے ایسے کمال سے جُدا

کیسی عجب ہَوا چلی، ایک ہوئے ہیں باغ و دشت
گُل سے خفا ہے بوئے گُل، رم ہے غزال سے جُدا

دُھند میں اور دھوپ میں، نیند میں اور خواب میں
ہم تھے، مثیل سے الگ! ہم تھے مثال سے جُدا!

ایک ذرا سی بات پر وقت کی نبض تھم گئی
روٹھ کر اُس سے دل پہ کیا گردِ ملال جم گئی

خاک بسر گیا کوئی، جاں سے گزر گیا کوئی
تہمتِ عشق آپ کے سر تو بہت ہی کم گئی

بھیگے ہوئے ہیں آج تک خواب کے سارے راستے
آنکھ سے ہو کر ایک بار موجِ ہوائے نم گئی

عہدِ وفا کی بات تھی، ایک ذرا سی بات تھی
میری خوشی کے ساتھ ساتھ لے کے ترا بھرم گئی

دشت میں باغ کب مِلے باغ میں پھول کب کِھلے
دل کی طرف ہزار بار کہنے کو جوئے غم گئی

کوئی چلا تھا ایک شب، مقتلِ عشق کی طرف
کیسی عجیب روشنی ساتھ قدم قدم گئی

سخت ہراس میں رکھا بوئے گُلِ ملال نے
آئی کرم کے واسطے کر کے عجب ستم گئی

شام کو ہو کے بیقرار یاد نہیں کیا تجھے
کب یہ ہُوا کہ بار بار، یاد نہیں کیا تجھے

خواب سجا کے جی لیے دل سے لگا کے جی لیے
رشتہء دردِ اُستوار، یاد نہیں کیا تجھے

دانشِ خاص ہم نہیں یوں تو جُنوں میں کم نہیں
دل پہ ہے اتنا اختیار، یاد نہیں کیا تجھے

فصلِ بہار پھر خزاں، رنگِ بہار پھر خزاں
آئی ہے پھر سے اب بہار، یاد نہیں کیا تجھے

اشک جو ختم ہوگئے، خود سے لپٹ کے سو گئے
کوئی نہیں تھا غمگسار، یاد نہیں کیا تجھے

کتنی کہانیاں کہیں کتنے فسانے بُن لیے
بن گئے داستاں نگار، یاد نہیں کیا تجھے

سخت اُداس تھا نگر سہمے ہوئے تھے بام و در
دُور تھے سارے رازدار یاد نہیں کیا تجھے

ایک چراغ راہ میں دیر تلک جلا کیا
بُجھ گئی چشمِ سوگوار یاد نہیں کیا تجھے

ڈھونڈ لیا ترا بدل، کہتے ہی کہتے اک غزل
سوئے ہیں اہل انتظار، یاد نہیں کیا تجھے

بات میں تیری لُطف تھا آنکھ میں دلبری رہی
شاخِ نہالِ عشق یوں آج تلک ہری رہی

ہجر کی شب میں کوئی دل لیلیٰ مثال ہو گیا
خاص کسی کے واسطے قیس کی ہمسری رہی

رنگ لگا لیے کبھی پھول سجا لیے کبھی
ذوقِ جمال تھا نہ تھا آئینہ پروری رہی

رنگِ حیات دیکھ کر گُل کا ثبات دیکھ کر
سہمی ہوئی تھی بوئے گُل، بادِ صبا ڈری رہی

سحرِ جمال میں رہے ایک خیال میں رہے
شیشہ ء دل میں آج تک جیسے کوئی پری رہی

دل بھی حرم سے کم نہ تھا اِس میں بسا تھا اک خدا
ساتھ کہیں پہ عزتِ پیشہ ء آذری رہی

موسمِ گل رہا یہاں یا رہا دورہ ء خزاں
خواب کی شاخسار تو یونہی ہری بھری رہی

مصحفِ دل پہ لکھ دیا حرفِ طلائی عشق کا
لفظ گری کے ساتھ ساتھ ہاتھ میں زرگری رہی

خواہشِ عشق بھی نہیں شوقِ وصال بھی نہیں
قہر یہ ہے کہ دل کو اب کوئی ملال بھی نہیں

ہم کو تمہاری چاہ کا تم سے کبھی نباہ کا
خواب و خیال بھی تو ہو، خواب و خیال بھی نہیں

نیند میں ایک باغ تھا، باغ تھا جیسے خواب تھا
میری تو پوری زیست میں اِس کی مثال بھی نہیں

میری لبوں پہ لعل ہیں اشک یہ تیری آنکھ کے
میرے ملال سے تری آنکھ تو لال بھی نہیں

دھوپ بھی اپنے رنگ سے آج تو شرمسار ہے
تیری نظر کے سامنے اِس کی مجال بھی نہیں

حرفِ دعا تھے اور اشک، راہِ وفا میں زادِ راہ
مسند و تاج بھی نہیں جاہ و جلال بھی نہیں

میری طلب ہے اور کچھ، میرا نصیب اور ہے
رنگِ جمال کیا ملے قُربِ خیال بھی نہیں

تارِ اَنا اُلجھ گیا عُقدہ کبھی سُلجھ گیا
خیر، وہ دل کا سلسلہ اب تو بحال بھی نہیں

بزمِ حیات و کائنات ایک نظر کی بات ہے
یہ جو نہیں تو کوئی شے کوئی کمال بھی نہیں

چہرہ ء ماہتاب سے ابر سرک گیا کہیں
نور جھلک گیا کہیں، رنگ چمک گیا کہیں

جیسے تری نظر میں تھا فصلِ بہار کا پیام
پھول ہی پھول کھل گئے باغ مہک گیا کہیں

تم سے طلب صِلہ کِیا؟ تم سے کوئی گلہ کِیا؟
دیدۂ تر کا ذکر کیا یونہی چھلک گیا کہیں

کیسی عجیب روشنی رُوئے زمیں پر آ گئی
ماند ہوئے مہ و نجوم، رنگِ فلک گیا کہیں

محوِ رُخِ سَراب تھا دل تو اسیرِ خواب تھا
ایسے ہی رُک گیا کبھی یونہی دھڑک گیا کہیں

وہ جو سُبک خرام تھے منزلِ عشق پا گئے
راہِ وفا کے بیچوں بیچ کوئی اٹک گیا کہیں

قصہ ء ہجر میں نہ تھا رات ہمارا نام تک
شعلہ ء درد یک بیک کیسے بھڑک گیا کہیں

عشق کے مُبتلا کا ہے آج بھی قیس سا نصیب
دشت میں گُم نہ ہو سکا دل میں بھٹک گیا کہیں

دن تری یاد کے ہوئے شب ترے نام کی ہوئی
کچھ بھی نہ تھی یہ زندگی اب کسی کام کی ہوئی

مطلعِ خواب پر کوئی طلوع ہو گیا
آج کے بعد تو نظر بس اُسی بام کی ہوئی

سارے بدن پہ چھا گئی جیسے کہ بوئے یاسمیں
دل کو عجب طرح خوشی اُس سے کلام کی ہوئی

عشقِ طلسم رنگ نے کیسا کِیا ہے معجزہ
اوّلِ ماہ کی یہ شب، ماہِ تمام کی ہوئی

کوئی سفر میں ساتھ تھا' ہاتھ میں اُس کا ہاتھ تھا
بادِ صبا بھی مُعترف حُسنِ خرام کی ہوئی

دشت کو بَن بنا گئی؟ کون سے گُل کھلا گئی؟
وہ جو کوئی بہار تھی آپ نے عام کی ہوئی

پردۂ اَبر میں کہیں چُھپ گیا رُوئے آفتاب
دن میں بہت خفیف سی روشنی شام کی ہوئی

لے کے زیاں و سود کو، ہست کو اور بود کو
موجِ فنا بھی پھر اُسی بحرِ دوام کی ہوئی

پھول روِش پہ تھے کبھی رستہ ء صد چراغ تھا
کون کہے گا اِس جگہ دشت نہیں تھا' باغ تھا

اِس طرح درد سے بھرے اِس طرح ٹوٹ کر گرے
جیسے کہ چشم تھی سبو جیسے کہ دل ایاغ تھا

جب سے نگاہ ہو گئی اخترِ شام کی اسیر
شب کی نہ کچھ خبر ملی دن کا نہ کچھ سُراغ تھا

ہم نے بھی خود کو حجرہ ء خواب میں رکھ لیا کہیں
کوئی جو کم نگاہ تھا کوئی جو کم فراغ تھا

وصلِ زمین و آسمان دیکھ چکی تھی ایک بار
چہرہ ء شامِ انتظار اِس لیے باغ باغ تھا

اِس میں تو کوئی شک نہیں ہم میں چمک دمک نہیں
آئینہ ء نگاہِ دوست آپ بھی داغ داغ تھا

سیرِ جہاں کے باب میں دونوں ہی سیر چشم تھے
ایک کو سدّ راہ دل، اک کے لیے دماغ تھا

صبح ہوئی تو سامنے چہرہ ء شہرِ بے تپاک
رات ہوئی تو منتظر خانہ ء بے چراغ تھا

یاد کی ٹیس کم ہوئی بھول چکے خیال کیا
رونے کے بعد کیا ہُوا دل سے گیا ملال کیا؟

مانا بہت تھی خوش گماں اے مری چشمِ بے نشاں!
جرأتِ خواب کر سکے اب ہے تری مجال کیا

دُور وہ چرخِ نیلی فام، پاس یہ آبِ نیلگوں
کم ہے اِدھر جمال کچھ؟ کم ہے اُدھر جلال کیا؟

کیا اِسی زخمِ دل کے ساتھ زندہ رہیں گے عمر بھر؟
باقی نہیں ہے اب کوئی صورتِ اندمال کیا

ایسے وفورِ شوق میں یاد کہاں رہا کہ شب
ہم نے جواب کیا دیا اُس نے کِیا سوال کیا

تُو ہی بتا کہ تُو نے جب نبض پہ ہاتھ رکھ دیا
رشتہ ء جاں بدن کے ساتھ ہونے لگا بحال کیا

کیا یہ مریضِ زندگی مرتے نہیں ہیں عمر بھر
راہروانِ دل کبھی ہوتے نہیں نڈھال کیا

خواب تراشتے ہیں ہم جس طرح سنگِ ہجر سے
ایسے ہُنر کی شہر میں ہے بھی کوئی مثال کیا

دیکھ طلب کی راہ میں غم ہے کہاں خوشی کہاں
دل کی اِس ایک آہ میں، غم ہے کہاں خوشی کہاں

اپنا یہاں کوئی تو ہے، تُو نہیں زندگی تو ہے
خانۂ کم تباہ میں، غم ہے کہاں خوشی کہاں

سچ ہے کہ مدتوں کے بعد راہ میں یونہی ہم ملے
پھر بھی تری نگاہ میں، غم ہے کہاں خوشی کہاں

سایہء خوابِ مختصر اب بھی جُھکا ہے نیند پر
شب ہے تری پناہ میں، غم ہے کہاں خوشی کہاں

ایک نگاہ اور پھر کس کی مجال، دیکھتا!
عشق کی بارگاہ میں، غم ہے کہاں خوشی کہاں

رنجشِ ذات اور ہم؟ لُطفِ حیات اور ہم؟
یوں بھی فقط تباہ میں غم ہے کہاں خوشی کہاں

ہلتی ہوئی زمین پر بیٹھ کے دیکھتے رہیں
گردشِ مہر و ماہ میں، غم سے کہاں خوشی کہاں

اب بڑی دیر ہو چکی، اب تو یہ عمر کھو چکی
باقی دل تباہ میں غم ہے کہاں خوشی کہاں

روز ہُوا ہے روزِ اَبر، شب شبِ ماہ ہو گئی
جب سے ہمارے حال پر ایک نگاہ ہو گئی

برق کے ساتھ ایک بار کُھل گیا مطلعِ فلک
ایک ہی پل میں رات پھر سنگِ سیاہ ہو گئی

دُور کہیں تھا منتظر ساحلِ وصل بھی مگر
گِھر کے بھنور میں کشتیِ شوق تباہ ہو گئی

عشقِ محال کی قسم دل کے ملال کی قسم
اب تو یہ خواہشِ گناہ، خود ہی گناہ ہو گئی

لَوٹ کے پھر سے آ گیا سایہ ء ابرِ نوبہار
جبکہ وہ سبز شاخسار پرہ ء کاہ ہو گئی

بامِ فلک پہ کوئی خواب آئے تو مثلِ ماہتاب
خلق کے ساتھ ساتھ رات، چشم براہ ہو گئی

تو نے کہا سپید ہے، ہم کو لگا سپید ہے
تو نے سیاہ کہہ دیا، زیست سیاہ ہو گئی

ہاں تھی کبھی ہنروری اپنے لیے یہ شاعری
اب تو دلِ نزار کی ایک کراہ ہو گئی

صبح کو بزمِ ناز کا رنگ اُڑا ہُوا مِلا
پھول جلے ہوئے مِلے دیپ بُجھا ہُوا مِلا

دل کا نصیب ہے اِسے گر غمِ دوست مِل سکے
ایسا نگیں بھلا کِسے رَہ میں پڑا ہُوا مِلا

ٹوٹ کے گِر چکا تھا اور ہم نے چُنی تھیں کرچیاں
آج مگر یہ آسماں پھر سے تنا ہُوا مِلا

جب بھی فسانہء فراق شمعِ خموش سے سُنا
خوبیء اتفاق سے پہلے سُنا ہُوا مِلا

شام کے ساتھ دُور تک چلتا ہُوا وہ راستہ
آج تو اپنے پاؤں کے نیچے بِچھا ہُوا مِلا

ہجر کدے میں رات کو روز کی طرح آج بھی
نیند بجھی بجھی مِلی، خواب جلا ہُوا مِلا

کوئی اُٹھا تو دھوپ سا سارے اُفق پہ چھا گیا
اپنے ہی سائے سے کہیں، کوئی ڈرا ہُوا مِلا

گھر میں اگرچہ ہے کچھ کمی رامش و رنگ و نور کی
خانۂ خواب دیکھئے کیسا سجا ہُوا مِلا

رکھا فراق نے قدم دل میں بڑے سُکوں کے ساتھ
آنکھ میں اشک کی طرح سارے بدن میں خوں کے ساتھ

خواب تو خیر کب رہے پہلے کبھی نصیب میں
نیند بھی کوچ کر گئی اُس شبِ واژگوں کے ساتھ

جیسے قِرانِ زہرہ و مُشتری بیتِ زوج میں
ایسے نگاہ و دل ملے شوق مِلا جُنوں کے ساتھ

جس پہ نگاہِ انتخاب ٹھہرے، نہ تھا وہی گلاب
یوں تو وہ باغ تھا تمام پُر گلِ گوناگوں کے ساتھ

ہم کو قبول سب گناہ، عرض یہ ہے کہ عالی جاہ!
اتنی بھی برہمی نہیں اچھی فشارِ خوں کے ساتھ

تم کو ابھی نہیں خیال، بعد میں ہو گا جب ملال
آؤ گے ایک دن ضرور اپنے سرِ نگوں کے ساتھ

خواب سے ہو کے ہم کلام عمر گزر گئی تمام
جسم اُسی طلسم میں چشم اُسی فُسوں کے ساتھ

کاش یہ موجِ زندگی بحرِ حیات میں ہو ضم
جیسے حکایتِ جہاں، حالِ دلِ زبوں کے ساتھ

آنکھ میں اُس کی دیکھ کر حرفِ سوال اور بھی
اپنے لیے بڑھا لیا ایک ملال اور بھی

بات ہی ایسی چھڑ گئی دیکھتے دیکھتے ہُوا
بات میں اُس سے جیتنا آج محال اور بھی

فرصتِ آرزو کہاں اب تری جستجو کہاں
ہوگئے خواب اور ہی، آئے خیال اور بھی

دشت کی شام نے بہت دل میں اندھیر کر دیا
رنج کو گہرا کر گئی بادِ شمال اور بھی

آنکھ سے لے کے دل تلک ریت ہی ریت بھر گئی
آئے گا شہرِ جاں پہ کیا عہدِ زوال اور بھی

کب ہے نگاہِ بے حجاب، غیرتِ ہجر کو قبول
ویسے تو اِس جہاں میں ہے حسن و جمال اور بھی

ٹوٹ کے جُڑ گیا یہ دل تاکہ سجائی جا سکے
بزمِ خیال رنگ میں ایک مثال اور بھی

جب سے خبر ہوئی کہ ہے خاک مری اُسے عزیز
آنے لگی ہے جسم سے بوئے سِفال اور بھی

جس کے لئے ہوں مضطرب اُس سے مِلوں گی یا نہیں
خاکہ ء خواب میں کبھی رنگ بھروں گی یا نہیں

دُور کے راستے سدا لیتے رہے مرے قدم
منزلِ منتہا کی سمت میں بھی چلوں گی یا نہیں

جس کے فراق میں مرا تن ہمہ دید ہو گیا
اُس کی نگاہِ ناز میں پَل کو رہوں گی یا نہیں

حدِ نظر کے پار تک پھیلتے دیکھتی رہوں
رستہ ء خوابِ سبز پر پاؤں رکھوں گی یا نہیں

کتنے شجر ہیں گُل بدست اے مرے سروقد، مگر
حرفِ بہار آفریں تجھ سے سُنوں گی یا نہیں

رنج اگر ذرا سا ہے عمر بھی کب ہے خضر سی؟
سوچ رہی ہوں اب کے بعد ہنس بھی سکوں گی یا نہیں

یونہی گذر گئی حیات ٹھہری ہوئی ہے ایک رات
کہنی تھی جس سے بس یہ بات اُس سے کہوں گی یا نہیں

اِس کا خیال تھا کبھی اُس کا ملال تھا کبھی
جینے کی طرح ایک بار میں بھی جیوں گی یا نہیں

دُور کہیں کِھلا ہُوا خواب تھا مرغزار میں
دیر تلک چلے تھے ہم نیند کے شاخسار میں

موجِ خزاں سے قبل ہی ایک ہوائے ہجر نے
لُوٹ لیا چمن مرا وہ بھی بھری بہار میں

تجھ کو وہ عہدِ مختصر یاد نہیں رہا مگر
کوئی رہا ہے عمر بھر محشرِ انتظار میں

اب نہ خدا کرے کہ ہم پھر تری آرزو کریں
اب ہو خدا کرے یہ دل اپنے ہی اختیار میں

آج یہ کس نے گرم ہاتھ شانۂ غم پہ رکھ دیا
کون دلاسا دے گیا لمحۂ سوگوار میں

کس کے لبوں پہ میرا نام گل کی طرح چٹک گیا
کس نے اضافہ کر دیا موسمِ خوشگوار میں

ایک نئی ہوا کے بعد منظرِ دشت اور ہے
نقشِ قدم کا ذکر کیا درد کے اس غبار میں

جشنِ گل و نمائش باغ سے دور ہم کھلے
ایک نگاہ کے لیے کون لگے قطار میں

راہ میں بیٹھتے گئے تھک کے مریض بے دلی
منزلِ شوق کے اسیر اب بھی اُسی حصار میں

لوگ طلسمِ ناہ کے ایسے اسیر ہو گئے
رات کی رات میں کئی رنگ پذیر ہو گئے

ایک نگاہ نے کِیا دل سے گدا کو بادشاہ
کوچہ ء عشق میں کبھی شہ بھی فقیر ہو گئے

ہم نے ترے غرور کا تجھ سے گِلہ نہیں کیا
بس یہ ہُوا کہ آج سے اپنی نظیر ہو گئے

طائرِ خوش نوا، صبا، اب تو خزاں کے ساتھ ہیں
جو تھے خوشی کے نامہ بر، غم کے سفیر ہو گئے

تم نہیں جانتے مگر دل پہ تمہارے حرف و لفظ
کوئی تو داغ بن گئے، کوئی لکیر ہو گئے

بوئے فراق آگئی پورے بدن پہ چھا گئی
سارے حواس ایک ہی شے کے اسیر ہو گئے

اب تو مہ و نجوم سے ہم کو غرض ہی کچھ نہیں
تم جو شبِ مُراد کے ماہِ منیر ہو گئے

عشق میں بھی قناعتِ شوق ضرور ہو کہ ہم
ترکِ طلب کے ساتھ ہی کیسے امیر ہو گئے

ہم نے بھی خواب و عشق کو شعر میں رہنما کیا
کون سے حافظ و نظیرؔ، غالبؔ و میرؔ ہو گئے

دل میں مِلا کہ آنکھ میں ہوں کے سوال روبرو
آئینہ آئینہ رہا اُس کا جمال روبرو

جاتی ہوئی بہار کی گہری اُداس زرد شام
پھر وہی شام کی ہوا، پھر وہ خیال روبرو

ہم کو تو خیرہ کر گئی سوزشِ آفتابِ عشق
جب ہوئی جرأتِ نگاہ، جاہ و جلال روبرو

باغِ سخن ہے چار سُو گُل ہیں کنارِ آبجو
نغمہ سرا ہے عندلیب، چشمِ غزال روبرو

خواہشِ زندگی اُدھر نازشِ زندگی اِدھر
ذوقِ فراق دل میں ہے شوقِ وصال روبرو

چلتے رہے تمام عمر، سمتِ غروبِ مہر ہم
صبحِ زوال پشت پر شامِ ملال روبرو

ریزہ ہی ریزہ ہوگئے شیشہ دل ہی دل
چشمِ کمالِ فن کی خیر پھر وہ جمال روبرو

جن کو کِیا وجود میں خود سے چھپا کے پرورش
اب وہ تباہی سامنے، اب وہ زوال روبرو

منزلِ شوق کو چلے گردِ رہِ سفر ہوئے
ہم تو اِسی طرح جیے ہم تو یونہی بسر ہوئے

دل تھا اِدھر بُجھا ہُوا چشم اُدھر خموش تھی
کون چراغ تھے کہ جو رونقِ بام و در ہوئے

اُس کو خبر ہی کچھ نہیں اور ہم ایسے سادہ دل
آپ ہی بدگماں ہوئے آپ ہی خوش نظر ہوئے

سنگ ہُوا شجر تو کیا بارش و باد کا نزول
وصل بھی بے مُراد اب ہجر بھی بے اثر ہوئے

شوق یہ تھا کہ کوئی ہاتھ ہم کو کبھی تراشتا
خود ہی بنے ہیں سنگ زاد اب جو وہ شیشہ گر ہوئے

منظرِ عشق کے لیے روزنِ شوق کم سہی
ہم بھی تو کہہ سکیں کبھی دید سے بہرہ ور ہوئے

دیر تلک کہے گئے سب کے فسانے بزم میں
ہم ہی رہے جو صبح تک قصّہ ء مختصر ہوئے

شانِ ورود دیکھنا، رنگِ طلوع دیکھنا
بامِ افق پہ ہم سے لوگ جب کبھی جلوہ گر ہوئے

ہویدا
شہرِ سبا
اور وصال
خوابنائے
باغِ شب
بازدید
ہفت آسمان
پری خانہ
وہ شام ذرا سی گہری تھی (انتخاب)